مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً القرآن

حیاتِ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ

العارف باللہ الشیخ الکامل عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ تعالیٰ

جس میں

آپ کی مکمل سوانح حیات، تعارف مشائخ واساتذہ کمالات وامتیازات ترویج علوم ومعارفِ قرآنیہ اور خدمتِ علم حدیث کیساتھ ساتھ قصبہ شاہ منصور کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے اسی طرح یہ کتاب علوم القرآن تاریخ اور ادب کیساتھ شغف رکھنے والوں کے لئے ایک حسین مرقع ہے

تالیف

مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ امام شاہ ولی اللہ

اکوڑہ خٹک ۔ ضلع نوشہرہ ۔ سرحد پاکستان

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (القرآن)

حیاتِ شیخ القرآن رحمہ اللہ

العارف باللہ الشیخ الکامل عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ تعالیٰ

جس میں

آپ کی مکمل سوانح حیات، تعارف مشائخ و اساتذہ کمالات و امتیازات
ترویج علوم و معارفِ قرآنیہ اور خدمتِ علم حدیث کیساتھ ساتھ قصبہ
شاہ منصور کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے اسی طرح یہ کتاب
علوم القرآن تاریخ اور ادب کیساتھ شغف رکھنے والوں کے لئے
ایک حسین مرقع ہے

تالیف

مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ امام شاہ ولی اللہ
اکوڑہ خٹک ○ ضلع نوشہرہ ○ سرحد پاکستان



نام کتاب ! حیات شیخ القرآن ۔

سوانح ! شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالہادی صاحب
شاہ منصوری قدس اللہ سرہ ۔

مؤلف ! مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک ۔

ضخامت ! ۲۵۴ صفحات

کتابت ! سید رسول شاہ حضرت کیلیانوالہ ۔ (گوجرانوالہ)

تاریخ طباعت ! ۱۹۹۶ء

تعداد اشاعت ! گیارہ (۱۱) سو ۔

قیمت !

** ملنے کے پتے **

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۔
ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۔
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور ۔
مکتبہ سرحد خیبر بازار پشاور
دارالعلوم سعیدیہ کوٹھا ۔ ضلع صوابی
دارالکتب العلمیہ نزد چونگی نمبر ۲ اکوڑہ خٹک ۔
مکتبہ عثمانیہ مین بازار لکی مروت صوبہ سرحد ۔

اِنتساب

اپنے عظیم القدر والد محترم

محقق عصر، مفسر قرآن، متکلم وقت ترجمان حدیث

صدر المدرسین علامہ عبد الحلیم زروبوی رحمۃ اللہ

کے نام

جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے قیمتی لمحات اور بابرکت ساعات
خدمت دین متین اعلاء کلمۃ اللہ اور ترویج علوم اسلامیہ کے لئے
وقف کیں

سب دولتِ کونین جو دی عشق کے بدلے
اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا
(مجذوب رح)

عکسِ تحریر

فضائل لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ الا اللہ تدفع عن صاحبہا تسعۃ وتسعین بلاء ادناہا الہم ۔

ص ۲۷

ص ۳۱

و خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ دعا کردہ کہ بار الٰہا مرا طریقہ اقرب الی
اللہ تعالیٰ الہام کردہ و را این طریقہ نقشبندیہ ۔
فی الحقیقت اسم ذات و نفی و اثبات دعا است یعنی در اسم ذات میگویند
ای اللہ حب خود بدہ مرا ۔ و در نفی و اثبات میگویند ۔
ہیچ کسے نیست لائق خوردن و مرا خودم حب بدہ مرا ۔
و معنی [illegible] حب است کہ [illegible] نیست و مشائخ گفتند کہ اول
مخلوق حقیقت محمدی است و از و آثار مجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم آید
و از و باصول وجود بر آید ۔ پس در اسم ذات و نفی و اثبات
مقصود دعا است و طلب حب کہ حقیقی مندرج است ایں در وقت ذکر
[illegible] حق تعالیٰ با شد و طالب آن [illegible]
[illegible]

ص ۳۰

بیان مریدان حضرت شبلی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔

قلبی تاثرات

از مؤلف کتاب حافظ محمد ابراہیم فانی عفا اللہ عنہ

یہ سوانح ہیں مفسرِ شیخ شہ منصور کی
جس نے میرے دل سے گویا ہر کدورت دور کی
اپنی آنکھوں پر ہوں نازاں اے میرے ربِ جلیل
ان گنہگاروں نے دیکھی ایک صورت نور کی

تذکرہ یہ ایک عالم عارفِ کامل کا ہے
خدمتِ تفسیر قرآں عمر بھر، بھرپور کی
وہ نمونہ تھا سلف کا ان کی پیشانی کا نور
جس پہ ہوتی تھی تسلی مضطر و مجبور کی

ان کی محفل میں ملا کرتا تھا جامِ دردو سوز
ان کی بزم ناز نے کلفت ہر اک کافور کی
ذکر ہے اس شیخ اور اس عاشق قرآں کا یہ
جن کی الفت نے مری دنیائے دِل معمور کی

گو کہ یہ ہے ایک ناقص نامکمل تبصرہ
پھر بھی محنت میں نے حسبِ طاقت و مقدور کی
خونِ دل سے کی مرتب یہ کتاب و بانصیب
قدرتِ حق نے یہی کاوش اگر منظور کی

آگئی وہ منتظر تھے جس کے اہل دل تمام
چھٹ گئیں تاریکیاں فانی شبِ دیجور کی

(۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء اکوڑہ خٹک)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔ القرآن

حیات شیخ القرآن

العارف باللہ الشیخ الکامل عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ

جس میں

آپ کی مکمل سوانح حیات، تعارف مشائخ و اساتذہ، کمالات و امتیازات
ترویج علوم و معارف قرآنیہ اور خدمت علم حدیث کیساتھ ساتھ قصبہ
شاہ منصور کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے اسی طرح یہ کتاب
علوم القرآن تاریخ اور ادب کیساتھ شغف رکھنے والوں کے لئے
ایک حسین مرقع ہے

تالیف

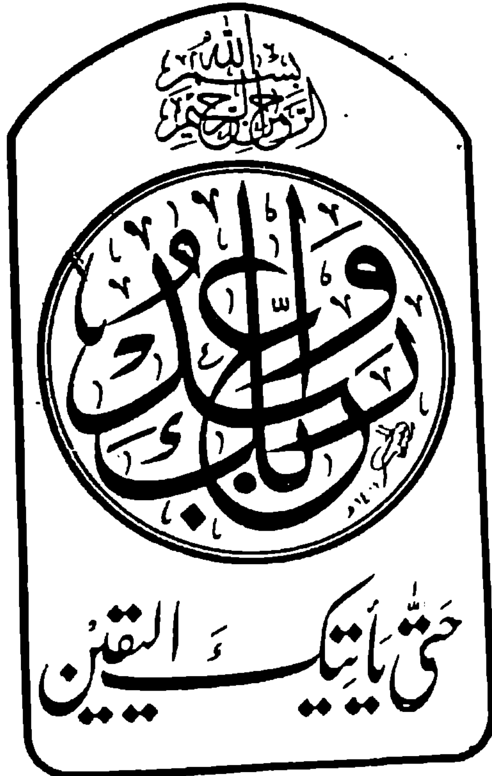
مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

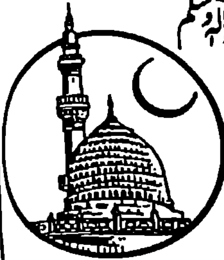
مکتبہ امام شاہ ولی اللہ

اکوڑہ خٹک ○ ضلع نوشہرہ ○ سرحد پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشمولات کتاب


بسم اللہ الرحمن الرحیم
واعبد ربک
حتی یاتیک الیقین



فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(ص)

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا،

"جب میری امت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"

دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے،
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے،
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے،
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے،
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے،
- مساجد میں شور مچایا جائے،
- قوم کا رذیل ترین آدمی اُس کا لیڈر ہو،
- آدمی کی عزت اس کی بُرائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ اور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں،
- مرد ابریشم پہنیں،
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے،
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں،
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں،

تو لوگوں کو چاہیے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ وہ سرخ آندھی کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی صورت میں۔

(ترمذی، باب علامات الساعۃ)

منجانب

محمد عبدالوہاب فاروقی

(مکی مروت)

پیش لفظ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت العلّامہ مولانا الدکتور الحاج السیّد شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی

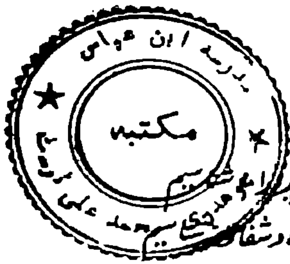
الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی آلہ واُصحابہ الغرالیامیین وعلی من تبعہم وسلک مسلکہم من الائمۃ المجتہدین والمفسرین والمحدثین۔

اَمّابعد! اللہ تعالیٰ نے کرۂ ارضی پر اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے نورانی الفاظ ومعانی کی حفاظت وتعلیم کے لیے ہر دور میں حفاظ ومقرئین، مفسرین اور علماء ربانیین کی مبارک جماعتیں پیدا فرمائی ہیں جو اس دھرتی میں دینِ اسلام کے بینارِ ہدایت اور مشاعلِ راہ کا درجہ رکھتی ہیں، اور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہِ حقیقت شناس نے ان کو "اشرافِ امت" کے لقب سے نوازا ہے۔

"اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْآن"

ان قدسی صفات شخصیات، فرشتہ خصلت اساطین امت میں ہمارے

علماء سرحد کے سرمایہ افتخار، اسوۂ ابرار شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالہادی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے جو اپنے عہدِ میمون کے امام حسن بصری اور امام غزالی تھے۔ جو "شیخ القرآن شاہ منصور" اور "مدکو کا مولانا" کے القاب سے مشہور تھے، اس نادرہ روزگار عبقری عظیم علمی شخصیت نے اپنی صد سالہ حیاتِ طیبہ کا اکثر و بیشتر زرین حصہ قال اللہ اور قال الرسول کے عظیم منصب کے لیے وقف فرما دیا تھا، وہ قلباً و قالباً، صورۃً و سیرۃً زمرۂ سلف صالحین اور جماعتِ علمائے متقدمین کے ایک فرد تھے اور متاخرین کے اس دور میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اسلافِ کرام کے نہج پر تدریسی فرائض حسبۃً للہ، مجاناً ادا کرتے رہے، اور ان تدریسی وظائف کی سرانجام دہی پر مشاہرہ اور معاوضہ کے روادار نہیں تھے۔ وہ اپنی درویشی وضع قطع میں ایک بے تاج، مستغنی مزاج بادشاہ تھے جس کو رب العزۃ جلّ جلالہ نے اپنی بے پناہ خلوص وللہیت، خاموش طبیعت، علمی متانت بے مثال زہد و قناعت، سنجیدہ تفکر، عمیق تدبر، جراُتمندانہ حق گوئی، غایت درجہ تواضع و انکساری جیسے عالی صفات کے بدولت علماء و صلحاء اور طلباء کے دلوں میں عظیم پذیرائی کا ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا وہ جملہ علوم عقلیہ، نقلیہ میں فوق العادہ مہارت تامہ رکھتے تھے، ہر فن کی بڑی بڑی کتابیں کئی بار پڑھا چکے تھے، مگر علوم القرآن اور معارف الحدیث کی تدریس ان کا محبوب مشغلہ تھا، وہ فن تفسیر میں یگانۂ روزگار تھے، قرآنی علوم و معارف بیان کرتے وقت ان کے بعض اسرار و نکات الہامی ہوتے تھے، جو تفاسیر کے اوراق میں نہیں ملتے یہ درحقیقت سالہاسال مسلسل طویل تدارس فی القرآن سے فراہم شدہ وجدانِ سلیم اور فہم مستقیم کی پیداوار ہوتی ہیں، جب کبھی حضرۃ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ دورانِ تفسیر کسی عجیب دقیق و عمیق نکتے کو پورے شرح صدر اور بصیرت کاملہ کے ساتھ بیان فرما لیتے تھے تو اس کے بعد بڑے شوق و ذوق



اور پر وقار کیف و وجد میں فرماتے۔

داریم باخلاص سرے بر خطِ تسلیم — باقولِ نبی چون وچرا [illegible]
قرآن وحدیث است شفائے دلِ رنجور — قانون واشارات وشفا [illegible]

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات باوضو رہتے، غیر تدریسی اوقات میں اذکار و اوراد سے حلاوت کشش وارادات میں مستغرق و منہمک ہوتے، اس ظاہری وباطنی طہارت و نظافت کے بدولت ان کے معصوم چہرہ پر نضارت و نورانیت کے جلوے آشکارا تھے اور ان کے مواعظِ حسنہ اور دروس میں ایک خاص قسم کی روحانی کشش اور ایمان افزا جاذبیت پائی جاتی تھی۔

أهل الحديث عصابة الحق — فازوا بدعوة سيد الخلق
فوجوههم لألأ ناضرة — لألاؤها كتألق البرق

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے چشمۂ علمی کے فیض عام سے فیض یافتگان کا طویل وعریض سلسلہ صرف سرحد کے حدود اربعہ تک محدود نہیں بلکہ ملحقہ قبائل۔ افغانستان وایران کے دور دراز سرحدات تک پھیلا ہوا ہے۔ جن میں بڑے بڑے مفسر ومحدث، فقیہ اور رجالِ معرفت وتقوی موجود ہیں وزیرستان وبلوچستان اور بالخصوص افغانستان میں کوئی قصبہ وقریہ ایسا نہیں جہاں حضرت کے تلامذہ موجود نہ ہوں۔ جہاد افغانستان میں ان کے ہزاروں تلامذہ نے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اور بے شمار حضرات کو شہادت کے اعلیٰ وارفع مراتب نصیب ہوئے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی استعمار کے خلاف جہادِ حریت میں علماءِ حق کے ساتھ شانہ بشانہ قربانیاں دی ہیں۔ فتنۂ قادیانیت رفض وشیعیت، پرویزیت اور بدعات ورسومات کے خلاف مسلسل جہاد کیا ہے جس طرح ان کے شیخ ومرشد برکۃ العصر استاذ المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ رواں بچھراں کو

پنجاب میں درسِ قرآن مجید کا شرفِ سبقت حاصل تھا۔ اسی طرح حضرت شیخ القرآن کو سرحد میں دورۂ تفسیر کے سلسلہ میں (السابقون الاولون) کا طرۂ امتیاز حاصل ہے وہ سرحد و قبائل افغانستان و ایران میں اپنے اس جلیل القدر عظیم المرتبت استاد و مربی کے علوم و معارف کے اولین ناشر و ترجمان ہیں۔ احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سید المحدثین زبدۃ الادبا و شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین اجلۂ تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

علومِ ظاہری و باطنی میں اوج کمال تک رسائی کے بعد انہوں نے اپنی جامع مسجد کو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے درسگاہ بنایا تھا۔

عرصہ دراز تک اسی جامع مسجد میں سینکڑوں طلبہ اپنی علمی تشنگی حضرت کے نہرِ سبیل اور کوثر سے بجھاتے رہے۔ بالآخر طلبہ کی روز افزوں ترقی کے پیشِ نظر مسجد کا وسیع خطہ تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگا، جس کی وجہ سے قصبہ سے باہر ایک وسیع علمی دانش گاہ کے لیے طویل و عریض قطعۂ اراضی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس میں ہزاروں طلبہ کے بود و باش، درس و استفادہ کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے اس مقبول مفسرِ قرآن مردِ درویش کے نیم شبانہ نالہائے زار اور دعواتِ سحرگاہی کو شرفِ قبولیت سے نوازا، اور فوق العادہ سرسبز و شاداب خطہ بلب جی ٹی روڈ اس قرآنی دانش گاہ کے لیے مرحمت فرمایا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ظلِ سرپرستی میں اس میں ایک وسیع جامع مسجد، درس گاہیں، دارالاقامہ وغیرہ معرضِ وجود میں آئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیاتِ مستعار کے آخری چند سالوں کے لیل و نہار اس جدید پرشکوہ عمارت میں ہزاروں مشتاقانِ کتاب اللہ کو دورۂ تفسیر پڑھاتے پڑھاتے اللہ کو پیارے

ہو گئے اب حضرت کے مبارک ہاتھوں کے لگائے ہوئے اس وقیع و وسیع علمی گلشن تفسیر کو ان کے منظورِ نظر، خلف الرشد حضرت مولانا نور الہادی دامت برکاتہم پوری جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ سیراب کر رہے ہیں اور اپنے عظیم والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے گرانمایہ گنجینۂ تفسیر کی امانت کو عشاقِ قرآن کے دلوں میں ودیعت فرما رہے ہیں، طلبہ کے حلقوں میں حضرت مولانا نور الہادی مدظلہٗ کے دورۂ تفسیر کو عظیم پذیرائی حاصل ہے ہر سال دور دراز سے ہزاروں کی تعداد میں پروانوں کی طرح اس شمع فروزاں سے اقتباس نور اور اکتسابِ فیض کے لیے شدّرحال فرماتے ہیں۔ ربّ العالمین جلّ جلالہ اس مرکز علم و معرفت کو تا قیام قیامت قرآن و حدیث کے انوار و تجلّیات سے درخشندہ و تابندہ رکھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ تفسیر کو خاص برکات سے نوازا تھا، ان کے عام فہم کوثرِ تفسیر سے سیراب شدہ فضلاء میں قرآن فہمی کا ایک خاص قسم کا استعداد پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد جاتے ہی وہ اپنے بلاد میں قرآنی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ شروع کر لیتے تھے، حضرت شیخ القرآن دورانِ تفسیر لغوی تحقیق نحوی ترکیب فقہی مسائل اور تصوف و سلوک کے اسرار و رموز پر محققانہ کلام فرماتے تھے۔

مگر بنیادی طور پر مسئلہ توحید ان کے دورۂ تفسیر کا مرکزی موضوع ہوتا تھا۔ بدعات و رسومات کی تردید پر زیادہ توجہ دیا کرتے تھے ہر سورۃ کے خلاصے پوری اہمیت کے ساتھ بیان فرماتے تھے ربط بین الآیات اور ربط بین السور پر ان کے توجیہات ازحد عمدہ اور دلنشین ہوتی تھیں۔

مسئلہ نسخ کے بارے میں وہ اپنے شیخ و مرشد کے نہج پر منسوخ آیات کے قائل نہیں تھے درحقیقت یہ ایک معرکۃ الآراء اہم مسئلہ ہے ابومسلم اصفہانی اور بعض دیگر علماء قرآن مجید میں منسوخ آیات کے یکسر منکر ہیں جب کہ جمہور علماء

نسخ فی القرآن کے قائل ہیں پھر نسخ کے قائلین آپس میں مختلف ہیں ۔ متقدمین نے دائرہ نسخ کو بہت ہی وسیع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے پوری سخاوت سے کام لیا ہے یہاں تک کہ ان کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہے، مگر متاخرین محققین نے اس دائرہ کو تنگ کرنے کی کوششیں کی ہیں ۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی معدودے چند آیات کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ۔ اسی طرح محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ صرف چار آیات کو منسوخ مانتے ہیں، منکرین نسخ "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد توراۃ وانجیل اور دیگر آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں ۔

کیونکہ یہودی علماء اعتراض کیا کرتے تھے کہ توراۃ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی ہے جس کو قرآن مجید بھی تسلیم کرتا ہے پھر اس کے منسوخ ہونے کا کیا جواز ہے؟ تو قرآن مجید نے اس یہودی اعتراض کا جواب دیا کہ ہم ان سابقہ کتب کے قوانین واحکام کو منسوخ کر کے اس کے بدلے بہتر قرآنی احکام وقوانین نازل فرمائے، پس اس آیت میں قرآنی آیات کی منسوخیت کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔

جمہور علماء بعض آیات کی منسوخیت کے قائل ہیں، علامہ قرطبیؒ اور امام رازیؒ اور دیگر علماء نے اس موضوع پر مدلل بحث کیے ہیں ۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ دورۂ تفسیر کے اختتامی تقریب میں (جو اکثر وبیشتر ۲۵ رمضان المبارک کی رات منعقد ہوتی تھی) علاقہ کے علماء کو دعوت دیا کرتے تھے ۔

یہ حقیر بھی تقریباً چار سال مسلسل حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی

دعوت پران مبارک تقریبات میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ ان دنوں یہ ناچیز مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھا اور شعبان و رمضان میں سالانہ تعطیلات کے دوران گھر آ جاتا تھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے معتمد تلامذہ کے ذریعہ گرانقدر دعوت نامہ ارسال فرماتے جس میں ناچیز کا نام اور پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس کے بعد یہ شعر زیب قرطاس ہوتا تھا۔

؎ چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بامیدے رسد امید وارے

پھر آخر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک دستخط ہوتے۔ یہ حقیر حضرت کے اس واجب الاحترام والاطاعۃ دعوت نامے کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار و موجب صد برکات تصور کرتا اور حسب الحکم نماز مغرب سے چند لمحات قبل مقررہ تاریخ پر ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ان کی مبارک زیارت سے محظوظ ہوتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بے حد مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے شفقت آمیز توجہات اور مقبول دعوات سے سرفرازی بخشتے۔ فرطِ محبت کے انداز میں فرماتے کہ مدینہ منورہ کا مہمان پہنچ گیا ہے۔ اب اگر اور کوئی صاحب تشریف نہ بھی لائے تو کوئی فکر نہیں۔ میرے ساتھ دو دفعہ برخوردارم قاری امجد علی شاہ بھی ان نورانی تقاریب سے سعادت اندوزی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دعائیں لینے کی خاطر حاضر ہوا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں دفعہ قاری امجد علی شاہ کو نماز عشاء اور تراویح پڑھانے کا اعزاز بخشا اور فرمایا کہ جب مدینہ منورہ کا حافظ وقاری موجود ہے تو وہی آج کی رات امامت کے لیے انسب ہے۔ رخصتی کے وقت امجد کو فرمانے لگے کہ مدینہ منورہ سے گاہے گاہے میرے نام خط ارسال کیا کریں۔ میرے لیے یہ سعادت کافی ہے کہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے نام والا نامہ موصول ہو۔ ایک بار ناچیز کو بھی ارشاد فرمایا کہ مجھے مدینۃ الرسول

صلی اللہ علیہ وسلم سے چند عمدہ کتابیں ارسال کریں۔ رحمہ اللہ جانتے ہی چند عمدہ کتابیں حضرت کے نام مدینہ منورہ سے شاہ منصور کے ایک نوجوان کے ہاتھ بھیجیں رحمتِ کائنات ، زینتِ کونین، تاجدار مدینہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کی محبت و عقیدت حد درجہ ہے۔ مگر علمائے مفسرین و محدثین کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ جب ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (سورۂ نساء آیت) کی تفسیر فرماتے تو والہانہ انداز میں فرماتے

کے بو یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
کہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جا کنم

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

۱۹۷۰ء کے انتخابات جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابرین نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو علاقہ صوابی سے قومی اسمبلی کی نشست کے لیے نامزد فرمایا تو حضرت معذرت کرنے لگے کہ میں اس میدان کا شاہسوار نہیں۔ شیر سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد کبیر حضرت مولانا سید گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ القرآن کو بعد اصرار مجبور کیا اور فرمایا کہ آئینِ اسلامی کا مسئلہ ہے ہم نے حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بڑے مشائخ کو اس میدانِ کارزار میں مقابلوں کے لیے نکالا ہے تو حضرت

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان بزرگوں کے بار بار مطالبات کو منظور فرما کر انتخابات میں حصہ لینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ ناچیز نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے اکثر و بیشتر انتخابی جلسوں میں شرکت کی سعادت حاصل کی ہے۔

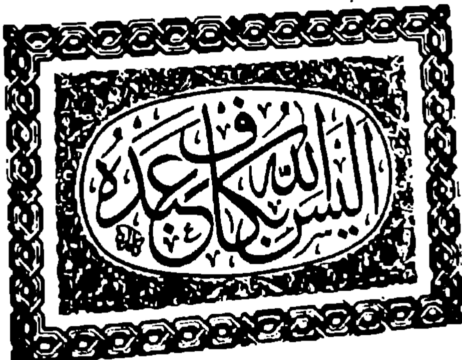
یہ چند سطور اپنے مخدوم زادہ حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب استاد دارالعلوم حقانیہ کی فرمائش پر بعجلت لکھ دیئے ہیں جو اپنے جلیل القدر شیخ موقر مربی، مشفق شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی تاثر و معارف کو ایک تالیفی گنجینہ کی صورت میں منصۂ شہود پر لانیکی سعادت حاصل کرنے والے ہیں، محترم فانی صاحب نے "مجلۃ الحق" میں "سیر بوستان" کے عنوان سے حضرت کے سوانح و مآثر کو قسط وار شائع فرمایا تھا جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ و معتقدین نے ازحد پسند فرمایا تھا اور بعض حضرات کا اصرار تھا کہ ان کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔

محترم فانی صاحب قابلِ صد تحسین و آفرین ہے کہ اس نے اس دور کے ایک فقید المثال، زبدۃ الربانیین و صفوۃ المفسرین، اُستاد العلماء کے واجب الامتثال احوال و افعال اور تذکروں کو اسلاف کرام اور بزرگان دین سے محبت و عقیدت رکھنے والوں کے لیے زندۂ جاوید بنایا۔ ان اللہ والوں کے تذکروں سے مردہ دلوں میں وہ ایمانی زندگی اور روحانی سکون وطمانیت پیدا ہوتی ہے جو شاہانِ عالم کے پارینہ قصوں میں نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم التسلیمات کے قصے بیان ہوتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے لیے درسِ عبرت ہوں خاص کر ربّ العالمین جلّ جلالہ نے اپنی آخری مقدس کتاب میں اولوالعزم پیغمبروں کے مبہری واقعات کو جابجا ذکر کیا گیا ہے

ان معطر قصوں سے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو جو لذت وسکون اور ایمانی حلاوت نصیب ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی بڑی سی بڑی نعمت میں نہیں ملتی، قصص الانبیاء حکایات صحابہ کرام، تابعین اور اولیاء اللہ، محدثین، مفسرین، مقربین کے سوانح حیات پر کئی کئی جلدوں میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسد الغابہ، الاصابہ، الاستیعاب طبقات ابن سعد۔ امام بخاری کی تاریخ کبیر، تاریخ صغیر، تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور دیگر بے شمار کتب اکابر امت کے حالات و واقعات سے لبریز ہیں یہ .....

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کتاب ہر لحاظ سے قابل صد تحسین اور ترحیب ہے۔

ترتیب و تنسیق از حد عمدہ، عبارت نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔ کتابت و طباعت دلکش و جاذب نظر ہے یہ انمول تحفہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ و منسوبین کے ہاتھوں میں بالخصوص اور محبین اولیاء اللہ کے ہاں بالعموم باعثِ صد برکت و اطمینان ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم فانی صاحب کی ان مبارک کوششوں کو شرف پذیرائی عطا فرما دے اور ان کا صلہ دارین میں نصیب فرما دے، إنہ تعالیٰ سمیعٌ قریبٌ۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین امابعد

قارئین کرام! استاذی و استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد بندہ نے آں مرحوم کی سوانح حیات پر مشتمل ایک مضمون بعنوانِ "سیرِ بوستان" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مؤقر جریدہ ماہنامہ "الحق" میں قسط وار دے دیا۔ چونکہ حضرت الشیخ ایک فنافی اللہ، فنافی الرسولؐ اور فنافی القرآن شخص تھے۔ جس کا تذکرہ آپ کو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں ملے گا۔ وہ دنیوی علائق سے کوسوں دور تھے۔ اور شہرت ونام ونمود سے انتہائی متنفر۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک قرآن کریم کی خدمت کی۔ اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ ملک و بیرون ملک قرآن پاک کی تفسیر و ترجمہ میں مصروف ہیں۔ صوبہ سرحد، افغانستان اور ملحقہ قبائل کے علاوہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ کہ دنیا کے ایک گمنام قصبہ میں ایک فنافی القرآن شخصیت موجود ہے اور انہوں نے حسبۃً للہ بغیر کسی دنیوی غرض وعوض کے قرآنِ پاک کی اتنی خدمت کی کہ انسانی عقل اس پر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔

چنانچہ راقم نے اسی غرض سے کہ لوگوں کو اس عظیم الشان کارنامے کے

علم کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت بھی علاقہ سے باہر متعارف ہو جائے یہ مختصر سوانح مضمون کی شکل میں دیدی۔ راقم کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی سوانح میں بہت دلچسپی لی جا رہی ہے۔ اور عوام و خواص اس کو بہت شوق سے پڑھ رہے ہیں۔ قارئین کے بے شمار خطوط بندہ کے نام آئے۔ اور انہوں نے ان مضامین کی اشاعت پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ اور اسی طرح سے بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی چند خطوط بطورِ نمونہ پیش خدمت ہیں۔

مولانا فضل احمد معظم ڈیرہ اسمٰعیل خان سے بندہ کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

سلام مسنون! نیاز مقرون۔

امید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ الحق میں آپ نے حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ کی سوانح حیات لکھ کر میری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔ اور میری دلی آرزو کی تکمیل کر دی ہے فجزاک اللہ خیرا عنا وعن جمیع تلامذۃ الشیخ رحمہ اللہ۔

۱۹۷۶ء میں تعطیلات رمضان شریف میں حضرت شیخ کے دورۂ تفسیر کے پرکیف اور دلکش مناظر میں نے بچشم خود دیکھے ہیں۔ واقعی حضرت الشیخ نابغۂ روزگار شخصیتوں میں سے تھے۔ علماء تو بہت ہیں۔ لیکن حضرت شیخ جیسے باعمل علماء صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں بقول متنبی۔

حلفت الدھور ما تأتین بمثلہ ۔ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

محترم! علماء حضرات یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور زمام کار ہم جیسے نااہل اصاغر کے سپرد ہو رہی ہے رجو۔۔۔۔ اور کسی کام کے نہیں۔ بقول شاعر۔

خلق اللہ للحروب رجالاً ورجالاً لقصعۃ وثرید

بہرحال آپ نے عظیم باپ کے عظیم بیٹے ہونے کی حیثیت سے حضرت والا کے تلامذہ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔ میں تو "مدیر بوستان" کے مطالعہ کے لیے الحق کا شدت سے منتظر رہتا۔ ہر ہر سطر غور سے پڑھتا اور دل سے بے اختیار دعائیں نکلتیں۔ میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو خدمتِ دین کی خاطر حیاتِ خضر سے نوازے اور آپ کے علم و عمل میں برکت ڈالے اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ بندۂ حقیر کو بھی آہ سحر گاہی اور دعا ہائے نیم شبی میں نہ بھولیے۔ بہرحال میری طرف سے اس اہم کام کی انجام دہی پر دلی مبارکباد قبول ہو۔ افادۂ عام کی خاطر اگر مؤتمر المصنفین اس کو علیحدہ کتابی شکل میں چھاپ دیں۔ تو بہت ہی بہتر ہوگا۔

شاید مجھے آپ پہچانیں گے نہیں۔ اس لیے تھوڑا سا تعارف ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نام فضل احمد ہے کئی کتابوں میں آپ کا ہم درس رہ چکا ہوں راحلطہ مسفلہ (حال محمودیہ) کمرہ نمبر ۶۲ میں رہائش پذیر تھا۔ گل حلیم شاہ اور شمس الحق جو میرے کمرے کے شرکاء تھے۔ ان سے تعلقات کی بنا پر آپ ہمارے کمرے میں اکثر آیا کرتے تھے۔ آپ مجھے صوفی صاحب کہا کرتے تھے۔ بہرحال ۱۹۷۵ء میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آج تک اپنے اکابر اساتذہ جیسے آپ کے والد بزرگوار صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ مولانا محمد علی رحمہ اللہ مولانا عبدالغنی مولانا سلطان محمود ناظم صاحب اور شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری رحمہم اللہ کی وفیات و سانحہ ہائے ارتحال پر میرے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ لیکن خدا کے حکم کے سامنے کسی کو دم زنی کی مجال نہیں وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی۔

وہ بھی بچھڑ گئے کہ مجھے جن پہ ناز تھا
نوحہ یہ زندگی کا سناؤں کہاں کہاں

حق تعالیٰ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم یتامیٰ کو ان کے مشن کو تکمیل تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

اسی طرح کراچی سے جناب محمد مشتاق الرحمٰن صاحب نے مدیر الحق حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے نام مکتوب ارسال کیا تھا۔ جو کہ انہوں نے پھر بندہ کو دیدیا وہ لکھتے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ میں کافی عرصہ سے الحق کے نگارشات سے مستفید ہو رہا ہوں، اور اس کے دقیع مضامین بطور حرز جاں محبوب رکھتا ہوں۔ چونکہ مجھے تاریخ اور شعر و شاعری سے شغف ہے۔ اس لیے میرے لیے اس میں حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ کچھ نہ کچھ مہیا کرتا ہے صوبہ سرحد کی گم گشتہ شخصیات پر حافظ صاحب جو کام کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی مفید ہے چونکہ پختون علاقہ میں بہت ہی نامور اور نابغہ روزگار شخصیات گزری ہیں۔ لیکن ان پر بروقت تحقیقی کام نہ ہو سکا، اس لیے عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ صوبہ سرحد میں کوئی نامور علمی شخصیت نہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس سے پہلے موقر جریدہ الحق میں فانی صاحب کا مضمون بعنوان حافظ سید احمد صاحب نظر نواز ہوا تھا۔ اس مضمون کو فانی صاحب نے جس عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا تھا میری طرف سے وہ اس پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ جیسی شخصیات آپ کے (حافظ سید احمدؒ) تلامذہ میں سے ہیں۔ علاوہ ازیں تاریخ بھوپال سے کافی حد تک نئے گوشوں سے اس پر روشنی پڑی۔ حال

ہی میں "سیر بوستان" کے نام سے مولانا عبدالہادی صاحب پر تاریخی مضمون انتہائی مفید ہے۔ اگر اس کو کتابی شکل دی جائے۔ تو اس کا افادہ عام ہوگا۔

شہادت گاہ بالاکوٹ اور پھر حضرت امیر خسروؒ کی غزل پر تضمین والی نظمیں انتہائی پسند آئیں.......

رستم ضلع مردان سے برادر محترم جناب مولانا ظہور احمد لکھتے ہیں۔

باقی گذارش یہ ہے۔ کہ آپ نے میرے عظیم شیخ ومربی ومحسن امیر المؤمنین فی التفسیر والحدیث جامع شریعت وطریقت حضرت العلامہ شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد الوفات جو عظیم گلہائے عقیدت بعنوان ومضمون "سیر بوستان" پیش امت مسلمہ فرمارہے ہیں۔ یقیناً اور حق یہی ہے کہ اس کا ہر ہر نقطہ وحرف قابل صد تعریف ہے۔

محترم المقام! مضمون سیر بوستان کو خوب تفصیل اور توضیح دیدیں تاکہ بعد میں یہ کتاب کی صورت میں آجائے۔ مضمون میں ایک جگہ قابل نظر ثانی ہے صفحہ پر اندازہ اور تخمینہ، جنازہ (افراد) بہت کم تحریر ہوا ہے۔ اخبارات نے دو لاکھ سے زیادہ نماز جنازہ میں شرکت کا ذکر کیا ہے۔

(اس کے بعد آپ نے مختلف شخصیات کے اسمائے گرامی تحریر فرمائے ہیں جنہوں نے اس عظیم الشان جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کی)

مولانا خلیل احمد مخلص فاضل حقانیہ نے لکھا۔

اُستاذ العلماء حضرت شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری کے حالات پر مشتمل آپ کا مضمون بعنوان سیر بوستان ماہنامہ الحق میں پڑھ کر انتہائی خوشی ہوئی اور دل سے دعائیں نکلیں۔ حضرت شیخ القرآن کے متعلق آپ نے جو علمی تحقیقی اور تاریخی مواد اکٹھا کیا ہے۔ اس کے بارے میں راقم کی تجویز یہ ہے

کہ اگر اس کو کتابی شکل دیدی جائے تو بہتر ہوگا اور قارئین "الحق" کے علاوہ حضرت الشیخؒ کے جملہ تلامذہ متوسلین معتقدین اور عامۃ المسلمین کو بھی استفادہ کا موقع ملیگا اس سلسلہ میں بندہ بھی حضرت کے متعلق اپنی یاداشتیں مرتب کرکے تعاون کریگا اور دیگر حضرات بھی جو حضرت کے تلامذہ و مستفیدین ہیں۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ تعاون کریں گے۔ یہ میری رائے اور تجویز ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یہ اور اس قسم کے کئی خطوط میں اس بات کا تذکرہ تھا۔ کہ اس کو کتابی شکل دی جائے۔ چنانچہ دوستوں اور قارئین "الحق" کی اسی تشجیع سے بندہ نے اس کو کتابی صورت میں لکھنے کا ارادہ کیا۔ مگر مادی اسباب کے فقدان کی وجہ سے تسویف اور تاخیر ہوتی گئی۔ کئی دفعہ تو حوصلہ ہار بیٹھا۔ جو حضرات اس کی اشاعت کے متقاضی تھے۔ وہ بھی میری ہی طرح مادی وسائل سے محروم تھے۔ اور جن کے پاس وسائل اور اسباب موجود تھے وہ ان کاموں میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے چنانچہ ایک طویل مدت تک اسی سوچ و بچار اور کشمکش میں مبتلا رہا۔ گویا ؎

آبلے کہتے ہیں ٹھہر و شوق کہتا ہے بڑھو
محوِ حیرت ہوں شریکِ کارواں کیونکر رہوں

بہر حال توکلاً علی اللہ بندہ نے سودہ کاتب کے حوالے کیا لیکن مجھے ں میدان میں کئی تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے ذکر کرنے کا موقعہ ہے رصت۔

"تذکرۂ علماء و صلحاء امت کی عظمت کے بارے میں اُستاذی المخدوم

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدنی مدظلہ العالی کا یہ ارشاد کتنا وقیع اور وزنی ہے، فرماتے ہیں۔

درحقیقت یادِ رفتگان و تذکرہ بزرگان کے سلسلہ میں علماء ربانین کے بکھرے ہوئے مناقب و مآثر کو اوراقِ تاریخ میں کتابی گلدستہ کی شکل میں پرونا بہت بڑی علمی و دینی خدمت ہے جو ایک طرف ان قدسی صفات اکابر اور فرشتہ خصلت سلف صالحین کے شاندار کارنامہائے مجد و شرف کو رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لیے زندہ جاوید بنا دیتی ہے اور دوسری طرف اصحاب سیرت سے وابستہ خدام و تلامیذ کے لیے خصوصاً اور جملہ فرزندانِ اسلام کے لیے عموماً گرانمایہ مجموعۂ نصیحت اور بیش بہا گنجینۂ عبرت کا کام دیتی ہے۔ ؎

واذا شیٔ یدوم فکن حدیثاً
جمیل الذکر فالدنیا حدیث

داغِ فرقت سے مجروح قلوب کے لیے اپنے محبوب فوت شدہ بزرگوں کا ذکرِ جمیل مرہم شافی سے زیادہ موجب تسکین ہوتا ہے، نیز ان کے محاسن کے ذکر کرنے سے ان کے احسانات کا حق قدر شناسی بھی قدرے ادا ہو جاتا ہے۔ اذکروا محاسن موتاکم۔ ؎

حکایت از قدِ آں یارِ دلنواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

طبعی طور پر دینی پیشواؤں کے دینی علمی عملی اور تبلیغی کارناموں کو پڑھنے سے اخلاق میں پاکیزگی اور اعمال میں اخلاص و للہیت کے جواہر پیدا ہوتے ہیں ان اللہ والوں کی زندگیاں زہد و قناعت، دیانت و امانت کی چمک دمک

سے منور ہوتی ہیں اور ان کے مقبول اعمال سے روح پرور اور دلآویز خوشبو مہکتی ہے۔ ؎

تلك آثارنا تدل علينا
فانظروا بعدنا الى الآثار

سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

الحكايات عن العلماء ومحاسنهم احب الیّ من كثير من الفقه

ترجمہ: علماء راسخین کے واقعات اور ان کے محاسن وفضائل اور صفات حمیدہ کے قصے مجھے فقہ کے بے شمار مسائل سے زیادہ محبوب اور مرغوب ہیں"۔ ؎۱

صوبہ سرحد کی مردم خیزی میں کسی کو کلام نہیں اور نہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے۔ اس خطہ زمین کی کوکھ سے ہر دور میں ایسے اعاظم رجال اور عظیم شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن پر زمانہ ہر دور میں فخر کرتا رہے گا۔ مگر مقام افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر کے حالات وسوانح منصہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئے اور یہی رونا جناب حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمان مدظلہ نے رویا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"دورِ غیر منقسم ہندوستان میں سرحدی علماء وطلباء برصغیر ہندو پاک کے دور دراز علاقوں میں اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے اور مساجد ومدارس کو اپنے علم وتقویٰ سے منور کرتے رہے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند دارالعلوم سہارنپور ڈابھیل وسملک ٹونک دحیدرآباد دکن رامپور و بھوپال میرٹھ ولکھنؤ کلکتہ و مدراس

؎۱ حیات صدر المدرسین ص۱۳ ۱۴ مؤلف محمد ابراہیم فانی

تک کے مدارس اور درس گاہیں و مساجد ان کی علمی سرگرمیوں اور افادہ و استفادہ کا میدان تھیں اور یہ بات صرف ماضی ہی میں دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ ولایتی علماء اور پٹھان مولوی صدیوں سے اپنی اس روایت کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سرزمین کی مردم خیزی کا اندازہ عصر حاضر کے ہی چند علمائے کرام کے اسمائے گرامی سے ہو سکتا ہے رفیق شیخ الہند اسیر مالٹا مولانا عزیر گل" علامہ عبدالحق نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ الاساتذہ جامع معقول و منقول مولانا رسول خان رح نابغہ روزگار شیخ الاسلام والمسلمین محدث کبیر فاتح قادیانیت علامہ سید محمد یوسف البنوری محقق کبیر علامہ شمس الحق افغانی، علامہ محمد زکریا البنوری رح، حضرت مولانا عبدالحق رح صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا محمد الوب جان البنوری فقیہہ النفس مولانا مفتی محمود رح وغیرہم اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ گنتی کے چند علماء و مشائخ کے ناموں اور کارناموں کے سوا ان کے تذکروں سے کتابیں یکسر خالی ہیں۔ ہما و شما اور ہر کہ و مہ کا تو کیا کہنا۔ بڑے بڑے علماء کے حالات شاذ ہی ملتے ہیں۔ علامہ صوفی فقیر اللہ قندہاری ثم پشاوری ثم شکارپوری جو کہ ایک عظیم عالم صوفی اور پچھلی صدی کے بزرگ ہیں۔ اپنے ایک استاد علامہ مسعود پشاوری کا تذکرہ اپنی کتابوں میں بہت عقیدت و عظمت سے کرتے ہیں لیکن ان کے حالات بھی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اہل نظر کو یہ خلا بری طرح محسوس ہوتا رہا۔ چنانچہ داعی کبیر مصنف شہید مولانا ابوالحسن علی ندوی (جنہوں نے تذکرہ نگاری اور تاریخ کا ذوق اپنے والد ماجد علامہ حکیم عبدالحئی لکھنوی صاحب نزھۃ الخواطر جو کہ ہندوستان کے ابن ندیم و ابن خلکان تھے سے پایا ہے) نے ۱۹۶۳ء میں مکہ مکرمہ میں فقیر سے ارشاد فرمایا تھا کہ علماء

سرحد کے تذکرے نہیں ملتے آپ اس کام کو کر سکیں تو بڑی خدمت ہوگی۔'' ؎۱

ناسپاسی ہوگی۔ اگر بندہ اپنے محبوب و مکرم اُستاذ حضرت العلامہ شیخ التفسیر والحدیث نابغہ عصر الدکتور مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی کا شکریہ ادا نہ کرے۔ جنہوں نے اپنی بے پناہ تدریسی مصروفیات اور دیگر گوناگوں مشاغل سے وقت نکال کر ناچیز کی معمولی درخواست کو درخور اعتناء سمجھتے ہوئے اس کو زیور قبولیت سے مزین فرمایا اور ایسا علمی تحقیقی اور تاریخی پیش لفظ اپنے قلم معجز رقم سے تحریر فرمایا۔ جو کہ گویا کتاب کی پیشانی کا جھومر ہے۔ درحقیقت بندہ کے پاس نہ کہنے کے لیے الفاظ ہیں اور نہ لکھنے کے لیے حروف جس سے اپنے عظیم المرتبت مخدوم و مکرم اُستاذ کو برنگ تحفہ سپاس پیش کرے۔ بس یہی تشکر و امتنان کے جذبات ہیں۔ جو ''بضاعۃ مزجاۃ'' کے طور پر حضرت الاستاذ کے نذر ہیں۔

؎ لطف و احسان آپ کا ہے قدر دانی آپ کی
بندہ کس لائق ہے صاحب مہربانی آپ کی

اسی طرح اپنے گرامی قدر دوست شیخ التفسیر والحدیث مولانا قاضی فضل اللہ صاحب ایڈووکیٹ ممبر قومی اسمبلی پاکستان جو کہ حضرت الشیخ کے ارشد اور اجل تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت الشیخ مرحوم سے کافی استفادہ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ انہوں نے ناچیز کے التماس پر انتہائی قلیل وقت میں ایک ایسا جامع اور پر مغز مقالہ لکھا جو کہ حضرۃ شیخ القرآن کی شخصیت پر ہر پہلو سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے انتہائی محظوظ ہوں گے۔ یہ مقالہ آپ کی علمی بصیرت کا ایک جیتا جاگتا

؎۱ مشاہیر علماء دیوبند ج اوّل ص ۸ مؤلف: حافظ قاری فیوض الرحمن۔

نمونہ ہے۔ موصوف نے حضرت الشیخ رح کی سیرت و صورت کے حسن کو ہر زاویہ سے پرکھا، جیساکہ ایک شاعر مصور سے اپنے محبوب کی تصویر کے ساتھ ساتھ اس کی اداو ناز کی تصویر کھنچوانے کا متقاضی ہوتا ہے لیکن وہ تو اس کے بس کی بات نہیں۔

۱ ؎ گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید

لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

لیکن قاضی صاحب نے یہ پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا اور جن لوگوں کو حضرۃ الشیخ کی زیارت نصیب ہوئی ہے ان کے سامنے بالکل حضرت الشیخ کا سراپا آجاتا ہے۔

بقول جگر مراد آبادی ؎

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں

یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آرہے ہیں وہ جا رہے ہیں

راقم ان ہر دو حضرات کا سپاس گزار ہے جن کے وقیع نگارشات سے کتاب کی علمی افادیت اور تاثیر میں ہزار گنا اضافہ ہوا ہے۔ فجزاهما الله خير الجزاء

حضرت الشیخ کی شخصیت ایک عظیم علمی شخصیت تھی جس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، لیکن ان کی تمام رفعتوں اور عظمتوں کے باوجود آپ کے بعض تفردات تھے۔ جن سے ضروری نہیں کہ ہم کلی طور پر اتفاق کریں۔ علمی دنیا میں شاذونادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کوئی کسی کے ساتھ ہر (مجتہد فیہا) مسئلہ میں کلی طور پر متفق ہو۔ اور ہر وسیع النظر شخصیت کے اپنے تفردات ہوتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ رح کے اپنے تفردات ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن قیم رح شاہ ولی اللہ رح کے بعض مسائل میں اپنا منفرد نقطۂ نظر ہے۔ ہمارے علماء دیوبند میں محدث عصر حضرت شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کا کتنا اعلیٰ وارفع مقام ہے لیکن آپ کے بھی کچھ مخصوص تفردات ہیں چنانچہ حضرت الشیخ رح کے بھی کچھ مخصوص مسائل ہیں جن کو بندہ نے تفردات سے تعبیر کیا۔ ان کی جلالتِ شان کے

باوصف ہم ان سے اتفاق پر مکلف نہیں ۔

وللناس فیما یعشقون مذاھب ۔

زیرنظر مختصر کتاب حیات شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری رحمہ اللہ کے بارے میں راقم کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ۔ کہ یہ حضرت شیخ کی مکمل اور جامع سوانح حیات ہے بلکہ یہ تو صرف ایک خشتِ اول ہے امید ہے کہ تاریخ وتذکرہ نگاری کا ذوق رکھنے والا کوئی مصنف یا مؤلف اس پر مزید کام کرے گا اور ایک ایسا تذکرہ حضرت الشیخ کا مرتب کرے گا ۔ جو کہ ان کا شایانِ شان ہو ۔

راقم ان تمام احباب اور کرم فرماؤں کا مشکور وممنون ہے جنہوں نے اس کتاب کی تالیف واشاعت میں بندہ کے ساتھ تعاون فرمایا ۔ اور بندہ کی موقعہ بموقعہ حوصلہ افزائی فرمائی ۔ اب اس طویل "سمع خراشی" پر معذرت کرتے ہوئے قارئین کرام سے اجازت چاہتا ہوں ۔ اس دعا کے ساتھ کہ خداوند قدوس ہمارے ان تمام اساتذہ کرام ان مفسرین ومحدثین فقہاء علماء اور دیگر دین کی خدمت کرنے والے حضرات کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول سے نوازے ۔ اور بندہ کی اس حقیر کاوش کو زادِ آخرت کا وسیلہ بنادے

وماذالک علی اللہ بعزیز ۔

العبدالجانی !!

محمد ابراہیم فانی

زروبی ۔ ضلع صوابی

۱۲ اپریل ۹۴ء

تعارف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت العلامہ قاضی محمد فضل اللہ صاحب ایڈووکیٹ مدظلہ

ممبر قومی اسمبلی پاکستان

حضرت الشیخ مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوریؒ پر کچھ لکھنے کا حکم صاحبزادہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی نے دیا۔ مروجہ سیاستِ عصر جس نے ایک جانب ہمیں بصیرت سے عاری بنایا۔ اخلاص وللہیت کو دھچکا لگا۔ اس لیے کہ یہ سیاست ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخاب کے بعد صرف مفادات تک محدود رہی۔ نظریات سے یہ میدان مکمل طور پر خالی رہا۔ کیونکہ مارشل لاء کے جنرل نے ان آئینی اداروں کو اپنے اصل کام یعنی قانون سازی سے لاتعلق کرکے اُسے لوکل باڈیز کی ذمہ داریاں دیدیں اور کبھی کا قانون ساز ممبر آج بالوں گلی نالی پختہ کرنے کے لیے سرگردان ہے یا پھر کلاس فور کی نوکریاں دلوانے کی خاطر وزراء کے پاؤں پڑ رہا ہے انہیں قانون سازی کی فرصت اور اس کے لیے سوچنے کا موقع کہاں!

راقم آثم کو بھی گردشِ دوراں نے اس دلدل میں پھنسا دیا۔ ایک جانب تدریسی ماحول سے لاتعلق رہا۔ اور دوسری جانب ذہنی اضطراب اور کش مکش سے دوچار رہا۔ لیکن اُستاذزادہ کا حکم اور ایک اُستاذ پر تحریر جو سرمایۂ افتخار ہے نہ ٹال سکا۔ پشاور اسلام آباد اور صوابی کے درمیان آتے جاتے وقت کار میں بیٹھ کر لکھتا رہا۔ وہ پیش

خدمت ہے منطقی طور پر اس میں ضرور کچھ بے ترتیبی اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا ہوگا۔
اس لیے اس کو اس تناظر میں دیکھا جائے۔

؎ خاطرِ مسلسل است پریشاں چوں زلفِ یار
عیبم مکن کہ در شبِ ہجراں نوشتہ ایم

مولانا محمد ابراہیم فانی ایک جید عالم دین، ایک کامیاب ذہی استعداد مدرس، ایک باذوق شاعر اور بہترین نثر نگار ہیں۔ اساطینِ امت اور اکابرینِ ملت پر لکھنا وہ اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتا ہے حضرت اُستاذ العلماء شیخ المفسرین شیخ القرآن حضرۃ مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری پر مؤقر جریدہ "الحق" اکوڑہ خٹک میں چند اقساط میں لکھا۔ اور اب ترمیم و اضافہ کے ساتھ اس کو ایک کتابی شکل دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کتاب پر تمہیدی مقدمہ کے لیے اس ناچیز کا انتخاب کیا۔ اس لحاظ سے بر میرے لیے باعثِ سعادت ہے کہ ایک اُستاذ زادے کا حکم اور ایک اُستاذ پر کچھ لکھنا۔ ؏ ایں سعادت بزورِ بازو نیست

یوں تو دنیا ممکنات سے عبارت ہے اور بقول شیخ ابن عربی ممکنات وجود نہیں بلکہ شمّت رائحۃ الوجود ہیں۔ یا بالفاظِ دیگر ممکنات کا وجود و عدم برابر ہیں۔ اور چونکہ یہی ممکنات ترکیب اجزاء کا مجموعہ ہیں۔ لہٰذا انفکاکِ اجزاء کی بناء پر ان کا فنا ہونا ایک طبعی تقاضا ہے۔ حاصل یہ کہ ممکنات کے ہر فرد کو راہیِ عدم ہونا ہے۔
کسی کی وفات ایک وسیع حلقہ کے لیے باعثِ اندوہ و حرمان ہوتی ہے۔
یوں تو ہر انسان کو مرنا ہے۔ لیکن ایک فرد ایسا ہوتا ہے جس کی وفات ایک خاندان کے لیے باعثِ غم واندوہ ہے۔ لیکن حضرت الشیخ رحمہ اللہ جیسی شخصیات کی موت ایک دنیا کی موت ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے ایک عالم دین کی وفات کو موت العالم سے تعبیر فرمایا۔ اور فرمایا کہ علماء دین متین کا نفاذ قیامت کی نشانی ہے اور ان کا وجود

دافعِ عذابِ الٰہی۔ حضرت شیخ القرآن رحؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا۔
قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا
کہ اگر دعوت الی اللہ کا کام نہ ہوتا اور داعون الی اللہ (علماء) موجود نہ ہوتے تو عوام الناس کی تکذیبِ شریعت تو ہے باعثِ عذابِ الٰہی لیکن ان کی وجہ سے اس میں تاخیر اور تعطل ہے۔ اور فرمایا کہ ہمیشہ کفار سے عذاب کی تاخیر اہلِ ایمان ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور قرآنِ کریم نے فرمایا۔ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا۔ اگر کفار کے اندر گھرے ہوتے یہ غریب اہل ایمان ایک جانب ہو گئے تو کفار کو ضرور عذاب دیا جائے گا۔ فرمایا بالکل اسی طرح اربابِ معصیت بھی اہلِ طاعت کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت الشیخ کبھی کبھار ازراہِ تفنن فرمایا کرتے تھے کہ یہ عوام قرآن وسنت کے طلبہ کرام کی وجہ سے محفوظ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔

حضرت الشیخ رحؒ کی صورت! حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ میانہ قد کے حامل تھے چہرہ سفیدی مائل جس پر تقویٰ کے اثرات سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ کے مصداق ظاہر تھے۔ مسنون داڑھی جو فطری طور پر "أَرْسِلُوا اللُّحٰى" کا مظہر اتم۔ سر پر نہایت ہی سفید کپڑے والا عمامہ جو دلوں پر حکمرانی والے ایک عالم کے سر پر شاہی تاج معلوم ہو رہا تھا۔ ہر وقت سفید اور صاف ستھرے کپڑے "أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى اللهِ الثِّيَابُ الْبِيضُ" زیب تن فرماتے۔ ہلکے جوتے جو آپ کے نرم ونازک قدموں کے ساتھ "طابق النعلُ بالقدم" کا نقشہ پیش کرتے رہے۔ یہ تھے حضرت شیخ القرآن شاہ منصوری رحمہ اللہ۔

حضرت کی سیرت! اَلظَّاهِرُ مِصْدَاقُ الْبَاطِنِ کے اساس حضرت الشیخ ظاہر کے لحاظ سے نفیس اور باطن کے لحاظ سے انفس تھے۔ اخلاق وسیرت کے حوالے سے آپ نفوسِ قدسیہ میں سے تھے۔ علامہ یافلانی اور دیگر متکلمین فرماتے ہیں کہ ارواح

از قبیل مجردات اور اجسام از قبیل مادیات ہیں۔ روح مجرد اور مادہ آلائشوں سے برابر رہتا ہے۔ سو روح جب مادی قالب کے اندر محصور ہو جائے تو مادی تقاضوں کی بدولت یہ بھی آلائشوں میں ملوث ہوتی ہے۔ اور بعض فلاسفہ کے نزدیک عذاب آخرت درحقیقت اسی روح کی تطہیر کا عمل ہے تاکہ وہ پھر سے اپنی اصلی حالتِ تجرد کو عود کر کے مجردات کا رفیق وساتھی رہے اور ابدی نعمتوں کی مستحق ٹھہرے۔ نفوسِ قدسیہ اپنی روح کو مادی قالب میں محصور ہونے کے باوجود مادی آلائشوں سے حتی المقدور محفوظ رکھتے ہیں۔ اور پھر قرآن کریم انہیں نفوس کو نفس مطمئنہ قرار دیتا ہے۔ یہی نفوس مادی دنیا میں مادی وسائل نہ رکھنے کے باوجود سکون واطمینان کی زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ اور جنت میں جانا ان کا مقدر ہوتا ہے۔ انہی نفوسِ قدسیہ کا تعارف و پہچان ان کے کردار سے ہوتا ہے اور کردار کے لیے بہترین معیار تعلقات اور مادی معاملات ہوا کرتے ہیں۔ حضرت الشیخ اخلاق وکردار اور اپنی سیرت کے حوالے سے اتباعِ سنت کی مجسم تصویر اور پیکر تھے۔ ہر ایک ملنے والے کو اپنائیت کا احساس دلاتے رہے۔ کوئی بھی ملنے والا آتا۔ تو آپ کو اپنا پاتے۔ غریب اور اجنبی شخص آتا۔ تو آپ اس سے اس انداز سے ہمکلام ہوتے کہ وہ اجنبیؔ اِذَا تَکَلَّمَہٗ اَحَبَّہٗ" کے اساس پر آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اور اگر دنیوی لحاظ سے کوئی بڑے سے بڑا آدمی آتا، تو آپ استغنا وخودی کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ یوں آپ "مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا" کا نمونہ بنتے۔ آنے والے سے گاؤں کا نام پوچھتے۔ اور جب وہ گاؤں کا نام بتاتے تو آپ اس گاؤں بلکہ مضافات کے کئی دیہات کا نام لے کر خیر کی دعائیں دیتے۔ کبھی کسی سے گاؤں یا علاقہ کے خان یا مالدار کا بیح تعارف وتعلقات کے نہ پوچھتے۔ بلکہ کسی عالم دین یا دیندار شخصیت کے متعلق دریافت فرماتے۔ کہ فلاں مولوی صاحب کیسے ہیں؟ مہمان نواز ایسے تھے۔ کہ ایک زمانہ تھا۔ جب کہ گاؤں کے کچھ بڑے لوگ آپ کے خلاف تھے اور پروپیگنڈہ

کرتے تو آپ ضیوف اللہ یعنی طلبہ قرآنِ کریم کو اپنی زمین بیچ بیچ کر کھلاتے رہے۔ راقم نے از خود کئی بار آپ کے خوانِ کرم کا مشاہدہ کیا ہے۔ راقم الحروف کے مزاج کو جانتے ہوئے آپ بسا اوقات جب روٹی کے لیے کہدیتے۔ تو ساتھ ہی فرماتے۔ شہد موجود ہے (راقم کو شہد سے لگاؤ ایک ایسے ہی دعوت کے موقع پر معلوم ہوا تھا) آپ اگر کسی کے ہاں مہمان بھی بنتے۔ تو اپنے حصّہ کی چیز تھوڑی تھوڑی کر کے ساتھیوں کو کھلاتے راقم الحروف نے جب ایک بار لینے میں کچھ لیت و لعل کیا کہ حضرت آپ کھائیں۔ تو فرمایا کہ اس طرح فیض عام ہو جاتا ہے یوں انکار ہی کے ذریعے ایک حکمت معلوم ہو گئی کہ اپنے حصّے کا کسی کو کھلانا فیض عام ہونے کا ذریعہ ہے۔ شعبان و رمضان میں آپ اپنے ہی گھر سے ایک سو کے قریب طلبہ کو کھلاتے۔ توکل ایسا کہ ایک بار آپ کے صاحبزادے نے آپ سے تنگدستی کا تذکرہ کیا کہ حضرت دعا کیجئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ عمر بھر خداوند تعالیٰ سے دنیا مانگنے کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر مانگے دیا کرتا ہے۔ اب کے اس عمر میں یہ نہ کروائیے۔ کہ میں اللہ کو نشاندہی کرواؤں۔ کہ یہ ضرورت ہے اور فرمایا کہ اللہ کے سامنے اگر اپنی ہوشیاری کا مظاہرہ کرو گے۔ تو ایسے ولدل میں پھنسا دے گا۔ کہ نکلنے کا راستہ ہی نہ ملے اور اگر اللہ کے سامنے ایسا اظہار کیا کہ میں نہیں جانتا آپ ہی جاننے والے ہیں۔ تو پھر وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے مصداق وہ حسبہ اور کافی ہوگا۔

راستے پر جاتے ہوئے آپ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ زمین پر نظریں مرکوز رکھتے۔ آپ کی حتی الوسع یہ کوشش ہوتی۔ کہ ایسے راستے سے چلوں۔ جہاں سے گزرتے ہوئے زیادہ لوگوں کو میری وجہ سے اٹھ کر سلام کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ کہ لوگ آپکو دیکھکر اٹھنے اور سلام کرتے۔ عمومی حالات میں تو آپ پر جمال کا غلبہ رہتا۔ لیکن کسی بھی دینی مسئلہ پر آپ

کی رگِ حمیت وغیرت بھڑک کر سراپا جلال بن جاتے ۔ وگرنہ عمومی حالات میں آپ اپنے دشمنوں کے لیے بھی نرم گوشہ رکھتے ۔

علمی میدان میں اگرچہ ابتدائی کچھ ایام میں مختلف مسائل پر مناظرات سے گزر چکے تھے ۔ لیکن ایک بار جب پارہ چنار کے دو علماء کے درمیان کسی مسئلہ پر اختلاف تھا اور وہ مناظرہ کروانے کے لیے راقم کو حکم اور ثالث مقرر کرنے پر راضی تھے ۔ تو میں نے جب حضرت سے تذکرہ کیا ۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کو مناظرہ سے روکو ۔ اس سے دین لوگوں کی نظروں میں مسخرہ بن جائے گا ۔ چونکہ یہ مادی دور ہے لوگ ویسے بھی دین سے بیزار ہیں اور ہم انہیں اور بھی موقع فراہم کریں اور فرمایا کہ یوں یہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بن جائے گا ۔

المختصر اینکہ آپ اخلاقِ عالیہ کے پیکر تھے ۔ اور حسنِ سیرت وصورت کا مرقع ۔

حضرت الشیخ رح اور شغفِ علمی :- علمی باتیں اور علمی شغف تو آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی ۔ کسی بھی محفل میں بیٹھتے تو بھی علمی بات اور علمی نکات اور پھر جملہ علوم میں علم تفسیر گویا آپ کا محبوب ۔ بیسیوں تفاسیر کا مطالعہ کرتے اور سینکڑوں صفحات سے ایسے ایسے نکات ڈھونڈ لاتے ۔ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ حکمت کے اعتبار سے آپ کی طبیعت کے اندر ایک ایسا میکانزم ترقی پا چکا تھا ۔ یا یوں کہیے کہ آپ کی چھٹی حِس مفسر بن چکی تھی ۔ جہاں سطور سے زیادہ صدور کی بات زبان پر آتی رہتی ہے ۔ اور یہ مسئلہ بہت ہوتا ہے جب "بما علم" پر عمل کیا جائے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَعْطَاہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ اوکما قال ۔ آپ کے گھر کے دروازے کے ساتھ چھوٹا سا مہمان خانہ تھا ۔ جہاں پر آپ مہمانوں کے ساتھ بیٹھتے ۔ وہاں بھی اپنے کو تفسیر سے لاتعلق نہ رکھتے ۔ لہٰذا مختلف تفاسیر کے مختلف مجلدات وہاں پڑے رہتے ۔ اور اگر مہمان گئے رخصت ہونے کے بعد آپ وہاں بیٹھے رہتے تو فوراً کوئی جلد اٹھا کر مصروف

مطالعہ ہو جاتے ۔ ایک بار میری نظر وہاں پڑی ہوئی مصر کے سید قطب کے فی ظلال قرآن
پر پڑی ۔ سید قطب کی شخصیت آپ کی عقلیت پسندی کی وجہ سے طبقہ علماء میں
متنازعہ تھی ۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کہاں سے، فرمایا ایک دوست عربستان سے
لائے ہیں ۔ میں نے پوچھا مطالعہ کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا، ہاں ۔ میں نے عرض کیا ۔
کیا تبصرہ ہے فرمایا، طویل عبارات اور چھوٹا سا مطلب اور فرمایا کہ نقل کو عقل کے
معیار پر پرکھتے ہیں ۔ مزید یہ کہ صراحتہ " تو شخصی تقلید سے انکار نہیں کرتا ۔ لیکن ہے
اس سے انکاری، میں سمجھ گیا ۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ولی کس عمیق انداز سے کتاب کا
مطالعہ کر رہا ہے ۔

مسئلہ نسخ اور حضرت الشیخ :۔ آپ نسخ کے مسئلہ میں زیادہ حساس تھے،
اور اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے معتقد اور مرید تھے اسلافِ کرام میں بعض
علماء نے کسی قلم کی جزوی تبدیلی کو نسخ کہہ کر تعداد آیات پانچ سو اور بعض نے اس
کی تعداد بیس تک گھٹا دی ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے متیٰ امکن الجمع لایصار
الی النسخ کے اساس انہی آیات میں جمع و تطبیق کر کے ان آیات کو پانچ تک محدود
کر دیا ۔ لیکن حضرت الشیخ اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کی تحقیق کے پیشِ نظر انہی پانچ
کے ناسخ و منسوخ میں بھی جمع کر گئے ہیں ۔ اور فرماتے کہ سیاق و اسلوب کلام ہماری
رائے کو تقویت دیتی ہے ۔ لیکن اگر کسی کو اتفاق نہ ہو تو خذ ما صفا ودع ما کدر ۔ جو قول
آپ کو بلا کدورت صاف نظر آئے تو قبول نہ کرنا تعنت اور عناد ہے ۔

شانِ نزول کے بارے میں بھی آپ حضرت شاہ صاحب کے پیرو تھے ۔ فرمایا
کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اضر الاشیاء فی التفسیر شان النزول ۔ اور وہ یوں
کہ شانِ نزول میں ایک خاص واقعہ بیان کر کے اس پر آیت کی تطبیق کی جاتی ہے ۔ جس
سے ایک گونہ تخصیص بالواقعہ کا پہلو نکلتا ہے اور وہ خاص واقعہ اہمیت ، اختیار کر جاتا

ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم واقعات تو بیان کرتا ہے لیکن یہ قصص کی کتاب نہیں بلکہ کوئی قصہ ایک مقصد کے اثبات کے لیے بیان کرتا ہے۔ اس لیے ایک ہی قصہ مثلاً قصہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار ذکر فرمایا کہ ہر جگہ مقصد کا ایضاح کرنا علیحدہ مقصود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے کا پورا قصہ یا واقعہ بیان نہیں کرتا۔ بلکہ مقصد سے متعلق قصہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

آپ اپنے شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے طرز پر کسی بھی صورت کے موضوعات کا تذکرہ فرماتے اس کا خلاصہ بیان کرتے، کہ یہ سورت ہے اس میں اتنے موضوعات ہیں پہلا یہاں سے یہاں تک دوسرا یہاں سے یہاں تک د علیٰ ہذا۔ اور اگر وہی موضوع اسی سورت میں مکرر بیان ہوتا تو فرماتے کہ یہ اس پر تفریع ہے یا اُسی کی ایضاح اور تنویر ہے کبھی لف و نشر مرتب کی صورت میں اور کبھی لف و نشر غیر مرتب کی صورت میں۔ فرماتے کہ قرآن کریم کبھی اعلیٰ کا تذکرہ کرنے ادنیٰ کو مقابلتہً چھوڑ جاتا ہے۔ کہ ادنیٰ تامل و تفکر سے وہ بات معلوم ہو جاتی ہے اور فرماتے کہ اِمّا اعتمادًا علی السامع او اِمدادًا لِذِھنِہٖ۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کفر پر بھی کفار کو ہلاک نہیں کیا ورنہ مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ بلکہ جب کوئی قابلِ غور اللہ کے صریحاً مقابلہ اور عناد پر اتر آئے تو پھر وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ ان کو نہیں چھوڑتا۔ کہ اتمام حجت ہو گیا ہے انہوں نے سوالات کیے۔ داعی نے جوابات دیئے اور جب یہ لوگ لاجواب ہو گئے تو ایسے دشمنی پر اتر آئے۔ اس سلسلہ میں دو آیات سے استدلال فرماتے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا تاکہ اتمام حجت ہو۔ اور جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ کہ یہ بدلہ تھا مکفورین کا جو ان سے لیا گیا۔ اور مکفور وہ داعی جس کا انکار کر کے مقابلہ کیا جائے۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

فرمایا کہ قرآنِ کریم اثبات مدعا کے لیے عقلی اور نقلی دلائل لے آتا ہے اگر کسی سورت میں دلائل عقلیہ ہیں تو سورت کے اول میں لفظ حکیم لے آتا ہے کہ آیات الکتاب الحکیم اور اگر نقلی دلائل ہیں تو لفظ مبین یعنی آیات الکتاب المبین لے آتا ہے جب کہ کبھی کبھار دونوں لفظ لاکر اشارہ دیتا ہے کہ سورت میں عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل ہوں گے، اور فرمایا کہ اسی طرح لفظِ قرآن سورت کے اول میں ذکر ہو جائے تو مطلب یہ ہے کہ سورت میں ذکر شدہ اس کتاب کی خصوصیت ہے اور اگر لفظ کتاب لایا جائے تو اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ یہ مسئلہ سابقہ کتب میں بھی مذکور ہے۔ اور اگر دونوں لفظ لائے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت میں دو قسم کے مسئلے ہیں۔ ایک وہ جو سابقہ کتب میں بھی ذکر تھے اور اس میں بھی ذکر ہیں اور دوسرا وہ جو صرف اسی کتاب میں ہیں۔

فرمایا کہ یہ قرآن نور ہے فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَالنُّورِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا الآیہ۔ رسولِ پاکؐ نورِ ہدایت ہیں۔ فَقَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ۔ یہاں پر نور سے مراد رسول پاکؐ ہیں۔ اس لیے کہ تاکید سے تاسیس اولیٰ ہے سو نور عبارت ہے رسول سے اللہ تعالیٰ نور ہیں۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جبرئیلؑ نور ہے اس لیے کہ فرشتہ ہے جسم لطیف نورانی یتشکل باشکال مختلفہ۔ سو یہ نور نور کی طرف سے نور کے واسطے نور پر نازل ہوا۔ اور حکمت یہ ٹھہری کہ لِیُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔

اور فرمایا کہ رسول اللہؐ، کتاب اللہ، بیت اللہ اور امت مرحومہ سب آفاق

اور عالمی ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفاقی ۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

کتاب اللہ آفاقی ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ ۔

بیت اللہ آفاقی ۔ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ ۔ اور اسی طرح امت مرحومہ آفاقی ۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ تو فرمایا کہ ان تمام کا صلہ للناس ہے ۔ اور اسی حوالے سے آپ ولی اللہی فکر کے اسرار و رموز سمجھاتے رہے ۔ کہ آپؐ کا لایا ہوا نظام اور شریعت پوری انسانیت کے لیے خیر و برکت کا ضامن ہے ۔

اسی لیے تو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم الی القبائل والشعوب للتعارف کے بعد فرمایا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ کہ آپ میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کی نظروں میں وہ ہے، جو اتقیٰ ہے اور اتقیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ انفع خلق اللہ لخلق اللہ ۔ اور جارج برنارڈ شا جیسے متعصب یہودی بھی یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا ۔ اور کہا کہ اگر علاقہ وطن زبان تہذیب رنگ و نسل اور دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود پورے عالم کا ایک ہی مملکت انسانی بنیادوں پر عمل میں لایا گیا تو اُسے محمدؐ کے قائم فرمودہ ہوئے نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام نہ چلا سکے گا ۔

مفسرات کی دنیا میں تو حضرت الشیخ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ۔ ایسی تقدیر نکلتے کہ فوراً اسی تقدیر کے سہارے پوری آیت کی تفسیر ذہن میں آجاتی ۔ فرمایا کہ قرآن کریم بادشاہ کا کلام ہے اور بادشاہوں کا کلام نہایت ہی مختصر ہوتا ہے ۔ لیکن یہ اب ہر کسی کے فہم و عقل کی بات ہے کہ وہ کیسے مراد اور مفہوم کو نکال لائے ۔ فرمایا

ے عقل آں باشد کہ بخشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے!

فرمایا۔ طالب علمو! آپ علوم آلیہ یعنی صرف ونحو اور منطق وفلسفہ کو مقصود سمجھ کر پڑھ رہے ہو۔ حالانکہ یہ زینہ تمہید اور وسیلہ ہے کہ اس کے سہارے قرآن وسنت اور علوم عالیہ و مقصودہ میں آسانی ہو۔ اور وجد میں آکر فرماتے۔

ے نورِ دل از سینۂ سینا مجو
روشنی از چشمِ نابینا مجو

صدرا و قاضی مبارک چغمنی — عمر در تحصیل ایں قبائح کنی
چند خوانی حکمتِ یونانیاں — حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں
ما فرستادیم از چرخِ نہم — کیمیا نیلے کہ تم اعما کنم

کہ قرآن اہل ایمان کی حکمت ہے نویں آسمان لوح محفوظ سے بھجوایا گیا۔ تاکہ انسانی اعمال کی اصلاح کرجائے۔ اور فرمایا۔

ے در صرف صرف کردی عمرِ عزیز یارا
در نحو محو گشتی نشناختی خدا را!

سورۂ نور جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک کا تذکرہ ہے کہ منافقین دعوت الی اللہ اور نظام الٰہی کے استحکام کی راہ میں روڑے اٹکانے کے سلسلے میں حضورؐ کے حرم محترم کو مہتم کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے صفائی پیش کردی۔ آپ یہ واقعہ بیان کرتے وقت اتنے روتے کہ ہچکیاں اور سسکیاں لیتے۔ خلاصہ سورت کے حوالے سے فرماتے کہ سورۃ انزلناھا وفرضناھا۔ یعنی ھٰذہ سورۃ عظیمۃ (خبر مبتدا مقدر، والتنوین للتعظیم) اور ہم نے نازل فرمایا (نسبت تشریفی ہے) اور ہم نے فرض کیا اس کے احکام سیکھنے کو) اور پھر فرماتے

کہ زنا کرنا جرم ہے۔ لیکن قذف باندھنا بھی جرم ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اس سورت میں ان چیزوں کے دروازے مسدود کرنا چاہتے ہیں۔ سو پہلے چار احکام کا تذکرہ پھر واقعہ افک اور اس کے بعد آداب معاشرت تاکہ عورت اور مرد دونوں محفوظ رہیں اور فرمایا کہ حکمت یہ تھی کہ سمجھایا جائے کہ حضورؐ عالم غیب نہ تھے اور یہ کہ جب معاشرہ کے خبیث عقائد اور رسوم کی تردید ہوگی تو مخالفین مختلف حربے آزمائیں گے۔ اور داعی کی عزت پر حملہ ان کا آخری حربہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ استقامت کا مظاہرہ کرگیا تو مشکل ختم ہو جائیگی اور یہ کہ منافقین سطحی اتباع میں آگے آگے لیکن زہریلا پروپیگنڈہ بھی ان ہی کی طرف سے ہوگا۔

مسئلہ عصمتِ انبیاء اور حضرت الشیخ :۔ آپ بسا اوقات بعض مفسرین کی تحقیق کو غیر اولیٰ اور غیر مرضی قرار دے کر ایسی تفسیر کر دیتے کہ طلبہ کی بصیرت پیدا ہو جاتی کہ یہ اصل تطبیق ہے۔ خصوصاً عصمتِ انبیاء کے مسئلے میں تو نہایت ہی سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ کہ اگر یہ بھی معصوم رہے تو پھر امت کے لیے کیا نمونہ بنے گا۔ حالانکہ نبیؐ نمونہ ہوا کرتا ہے اور فرمایا کہ نبی کو غیر معصوم معتزلہ نے بھی نہیں کہا۔ البتہ [illegible] ایک شعر [illegible] کا منافی ہے۔ میں نے [illegible] کی تفسیر پوچھی تو فرمایا کہ [illegible] من الناس تخالفہ [illegible] المسلمات۔ اور یوں سمجھا دیا کہ عصمتِ انبیاء مسلمات میں سے ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ آیت کی اصل تفسیر یہود کا من گھڑت واقعہ نہیں ہے۔ میں نے ایک بار عرض کیا کہ دیکھئے "رجی" مغرب میں ایک آدمی نے حضورؐ کی شان میں گستاخانہ انداز سے لکھا ہے! فرمایا کہ یہود کی کارستانیاں ہیں، اور کہا کہ وہ اپنے انبیاء معاف نہ کر گئے۔ بلکہ ان پر زنا کی تہمت تک لگائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر حضرت موسیٰؑ پر، یہی سمجھا کہ یہ شخص گو کہ عالمی

سیاسیات کا مطالعہ تو نہیں کرتا لیکن اتقوا فِرَاسَۃَ المُؤمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ کے اساس ان چیزوں بھانپ رہے ہیں) سو آپ نے فرمایا کہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے دن رات کو چار حصوں میں تقسیم کر چکے تھے ۔ دن کا پہلا نصف دفتری کام دوسرا نصف اپنی صنعت کہ زرہیں بنا کر گذر اوقات کرتے رات کا پہلا نصف اپنے آرام اور اہل خانہ کی توجہ کے لیے جب کہ نصف آخر (رات کا) اپنی عبادت کے لیے، وہ عبادت میں مشغول تھے ۔ خیال آیا کہ کیا عجیب تقسیم ہے کہ ایک وقت کا معاملہ دوسرے وقت میں دخیل نہیں ہوتا ۔ استعجاب کی یہ کیفیت حَسَنَاتُ الاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ المُقَرَّبِیْن کے زمرے میں آتی ہے سو اللہ نے اس پر عتاب چاہا اور عین عبادت کے اوقات میں دو افراد (بدو) دیوار پھاند کر آن وارد ہوئے، اور آپ کو اپنا مسئلہ پیش کر دیا ۔ حضرت داؤد نے مسئلہ کا فیصلہ تو کر دیا ۔ لیکن وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ ۔ اور اس کا یقین آیا کہ ہم نے اُسے عتاب دیا کہ یہ اچھی تقسیم بغیر تقدیر و توفیق ایزدی کے ممکن نہیں ۔ فرمایا کہ تفصیل حاکم نے مستدرک میں دی ہے ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلبِ حکومت کے بارے میں فرمایا کہ یہ واقعہ اسرائیلی ہے کہ آپ نے اپنی خاتم (انگوٹھی) ملکہ سبا کو دی تھی ۔ کیونکہ ان کا غسل کا ارادہ تھا ۔ شیطان آپ کی صورت میں آئے ۔ اور خاتم سے کر کرسئی حکومت پر براجمان ہوئے کہ بادشاہی اس خاتم کی وجہ سے تھی ۔ حضرت سلیمانؑ جب آئے اور اپنی بیوی سے خاتم مانگی ۔ تو بیوی نے کہا کہ میں آپ کو دے چکا ہوں ۔ وہ سمجھ گئے ۔ اُس نے شیطان (جن) سے مطالبہ کیا ۔ اس نے خاتم دریا میں پھینک دی ۔ حضرت سلیمانؑ نے مچھلیوں کو ڈھونڈ کر لانے کا حکم دیا ۔ ایک مچھلی اُسے لے آئی، حکومت لوٹ کے ملی فرمایا کہ واقعہ کا ایک حصہ بھی عقل یا قاعدے کے اساس پر صحیح نہیں ۔ یہ کہ ملکہ سبا آپ کی بیوی تھی صریحاً ثابت نہیں ۔ حکومت خاتم کی وجہ سے یہ بھی صحیح نہیں ۔ کہ وہ

رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۔ کی بنیاد پر حاصل کر چکے تھے ۔ جن آپ کی شکل پر متشکل ہوا۔ شیطان پیغمبر کی شکل میں نہیں آسکتا۔ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِیْ ۔ آپ کی بیوی آپ کو پہچان نہ سکی۔ اس سے کئی سارے محال لازم آئیں گے اور اس پر مستزاد یہ کہ بایں ہمہ آپ نے مچھلی کو حکم دیا۔ اور اس نے تعمیل کر لی۔ تو جب وہ خاتم ہی آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی حکومت قائم تھی تو مچھلی پر آپ کی حکومت کیسی ؟

فرمایا۔ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۔ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کی کرسی یا تخت پر اس کے سامنے وہ ناتمام الخلقت بچہ (جسد) رکھا۔

کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ آج رات میں کئی ساری بیویوں سے مجامعت کرونگا اور ان میں سے ہر پیدا ہونے والے بچے کو فوجی جرنیل بنا دونگا۔ یہ اس وقت جب آپ کو ایک موقعہ پر لشکر ترتیب دینے میں کچھ لوگوں کی طرف سے مشکلات پیش آئیں اور آپ نے اس عزم کے وقت انشاء اللہ نہیں کہا تھا جس پر آپ کو عتاب ہوا۔ (اور اس قسم کا عتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوا تھا۔ جب آپ نے کفار کو ایک سوال کے جواب کے لیے کل کی تاریخ دی اور انشاء اللہ نہیں کہا۔ پھر وحی میں تاخیر ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۔

سورۃ ص ہی کی ایک دوسری آیت کے متعلق فرمایا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے گھوڑے دوڑائے گئے۔ حتیٰ کہ آپ سے عصر کی نماز قضا ہوئی اور آپ نے گھوڑوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ فرمایا دیکھیں کتنے مجازات کا سہارا لیا گیا ہے "اِذْ عُرِضَ عَلَیْہِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ الی قولہ تعالیٰ رُدُّوْھَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۔ یعنی جب اس

پرپیش کیے گئے اچھے گھوڑے انہوں نے دوڑائے آپ سے عصر کی نماز قضا ہوئی۔ یعنی
حتیٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۔ ای توارت الشمس بحجاب الغروب۔ سورج
غروب کے پردوں میں چلا گیا۔
آپ نے اللہ سے عرض کیا کہ سورج کو معاد اور واپس لے آئے اور وہ گھوڑوں
کے پاؤں اور گردن مارنے لگے یعنی انہیں قتل کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ایک یہ
کہ "توارت" کے ضمیر مستتر کو سورج کی طرف راجع کرنا جب کہ سورج کا کہیں بعید بھی
تذکرہ نہیں نہ سیاق میں اور نہ سباق میں فرمایا کہ اضمار قبل الذکر تو شنیع ہوگا۔ لیکن
اضمار بدون الذکر تو نحوی کفر ہوگا۔ دوسرا یہ کہ رُدّوھا علیّ سے سورج کے رجوع
کا معنی پہنانا بھی ویسا ہی ہے۔ تیسرا یہ کہ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ
رَبِّیْ ۔ کا یہ معنیٰ کرنا کہ میں نے گھوڑوں کے ساتھ محبت کی۔ تو مجھے ذکر ربی یعنی نماز
سے غافل کیا۔ اس میں فعل اغفلنی یا اشغلنی مقدر گردانیں گے، یہ مجاز ہے اور پھر
مسحاً بالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ کا یہ معنی کہ ان کے پاؤں اور سر کاٹ دیئے۔ ایک پیغمبر
سے یہ فعل سرزد ہونا کہ غیر مکلف حیوان کو بلا وجہ قتل کر ڈالا۔ جب کہ نماز قضا ہونا ان
کا اپنا فعل تھا تو فرمایا کہ "حتیٰ توارت" ای الفرس "بالحجاب" فی الغبار فکان
لا یراھن فقال "ردّوھا" ای الفرس علیّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ
اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو تھپکی دینے لگے جو عام طور پر گھوڑے کے مالک کا طریقہ ہوتا
ہے کہ پاؤں اور گردن پر تھپکی دے دیتے ہیں۔

حروفِ مقطعات اور حضرت الشیخؒ: یوں تو سلف کا قول حروفِ مقطعات
قرآنی کے متعلق کہ اللہ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذَالِکَ ۔ اس کی مراد و معنیٰ اللہ تعالیٰ کو معلوم
ہے۔ بعض مفسرین کرام نے کہا ہے کہ کفار نے قرآن کے مضامین پر اعتراض کیا دفعتہً
نازل نہ ہونے پر اعتراض کیا۔ اس کے بعض الفاظ کو غیر عربی کہہ کر اعتراض کیا۔ لیکن

مقطعات کے حوالے سے نہیں اس لیے کہ ان کے ادباء کا بھی معمول تھا۔ کہ کلام کہتے وقت اس انداز سے چند مقطوع حروف کہدیتے۔ سو یہ رواج تھا، یا یہ کہ وہ لوگ اس کو کلام اللہ نہیں مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ادباء کو چیلنج کیا کہ مقابلہ کریں اور بظاہر محال بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ کلام آپ ہی کے حروفِ تہجی مثلاً ال م ح م ع س ق وغیرہ سے مرکب ہے کوئی نئے حروف بھی نہیں۔ سو اگر نہیں کر سکتے تو مان لیں۔ کہ کلام الٰہی ہے اور یا آج کے دور میں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ وحی کی آواز مثل صلصلة الجرس یا مثل دَوِیّ النحل ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ کو کیسے سمجھ آتی، تو آج کے دور میں ٹیلی گراف آفس میں بیٹھا ہوا آپریٹر مشین کے ٹک ٹک ٹکا ٹک کو الفاظ اور کلمات کا جامہ پہناتا ہے سو یہ مقطعات آج کے دور کے اصطلاح کے پیشِ نظر فون کی گھنٹی سمجھ لیں کہ اس کا بظاہر کچھ مفہوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ سو مقطعات کہہ کر انسانوں کو متوجہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔

بہر تقدیر علماء کرام نے اس کی حتی المقدور تاویلیں کی ہیں۔ ان میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں۔ حضرت الشیخ ایسے انداز سے تاویل فرماتے کہ سورت کا ایک حاصل یا کم از کم مابعد والی آیت سے ایک بہترین مناسبت پیدا ہو جاتی۔ فرمایا الم۔ الاول اللازم للمؤمن ذالك الكتاب۔ اور پھر آل عمرآن کے الم کے لیے فرماتے۔ اِلٰہٌ لازم الوجود منزہ عن النقص والزوال۔ اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم۔ الر۔ الانوار اللامعة للرسل تلك آیات الکتاب کھیعص۔ کاشف الھم والیأس العظیم الصعب۔ ذکر رحمة ربك عبده زکریا۔ یعنی یہ نعمہ عظیم یاس اور ہم کا کشف کرنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجردِ اسباب کے نومیدی ختم فرماتا ہے۔

حم عسق ۔ کے حوالے سے فرمایا کہ حفظ و مواظبت عنوان سر قبول ۔ کہ اس قرآن کا حفظ اور اس پر دوام و استقامت مقبول راز کا عنوان ہے اور حوامیم سبعہ میں ہر ایک کی علیحدہ تاویل فرمائی ۔

حٰمٓ ۔ حاوی العلوم ماحی الغموم ۔ حٰمٓ ۔ حبلٌ متینٌ

صٓ ۔ صدق محمد والقرآن ذی الذکر ۔ یا معنی یہ ہے کہ ص پر قسم کھا۔ کہ وصدق محمد والقرآن ذی الذکر ۔ کہ دونوں صادق ہیں ۔ لیکن بَلِ الذین کفروا فِی عِزّۃٍ وشِقَاقٍ کفار ویسے ضد اور عناد پر تلے ہوتے ہیں ۔

نٓ ۔ فرمایا ۔ ن نبوت سے ہے یعنی نبوت محمدؐ حق ۔ والقلم یسطرون ۔ قسم ہے قلم اور اس چیز کی جو لوگ تحریر کرتے ہیں ۔ اور فرمایا کہ ن مختلف ہے عربی لفظ نون کا جس کا معنی ہے مچھلی اور سورت کے آخر میں صاحب الحوت یعنی مچھلی والے کا تذکرہ ہے ۔

اقسام قرآن کے متعلق حضرت الشیخ کی تحقیق انیق :

فرمایا کہ عاداتِ عربیہ کے حوالے سے قسم تین اساس پر اٹھائے جاتے ہیں ۔ ایک مقسم بہ کی عظمت کے حوالے سے دوسرا مقسم بہ کو جوابِ قسم پر شاہد اور گواہ بنانے کے حوالے سے اور تیسرا دعائے خیر و شر کے حوالے سے ۔ مسلمان اللہ تعالےٰ پر اور اس زمانے کے عرب اپنے باپ پر قسم کھاتے تھے کہ وہ ہی ان کی نظر میں عظیم تھا شہادت اور گواہی کے حوالے سے سورۃ العادیات کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کے ہانپنے، پاؤں کے ٹھوکر سے چنگاری نکالنے صبح صادق کے وقت دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہونے، دوڑنے سے غبار اٹھانے اور اس گرد و غبار کے اندر... اب ان صفات پر متصف گھوڑوں پر قسم کھانے کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑا اپنے مالک اور مربی کے حکم پر مرنے کو بھی تیار رہتا ہے ۔ حالانکہ یہ مالک اور مربی مجازی اور گھوڑا

بے عقل۔ یعنی اِنّ الانسانَ لِرَبّہٖ لکنود۔ تحقیق انسان (عقل کے باوجود) اپنے مالک ورب (حقیقی) کا ناشکرا ہے۔ یعنی مقسم بہ کو جواب قسم پر شاہد بنا دیا۔ اور کبھو کبھار دعائے خیر و شر کے لیے بھی قسم کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ لَعَمْرُكَ اِنَّھُم لَفِی سَكْرَتِھِم یَعْمَھُوْن۔ مجھے آپ کی عمر مبارک کی قسم۔ اب اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر کو بابرکت بنا دے۔ اور واقعی آپ کی عمر بابرکت ہوئی۔ کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں وہ انقلاب برپا کیا کہ وہ عالمی اور ابدی بن گیا۔ اور اس نے دنیائے دیگر نظاموں کو تہس نہس کر دیا۔ الغرض یہ کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی چھٹی حس مفسر بن چکی تھی۔ اور آپ کا قلب غوغائے مادیت اور غلغلہ ہائے دنیوی سے خالی و فارغ رہا۔

؎ عروسِ حضرتِ قرآں نقاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک ایماں را مجرّد بیند از غوغا

اختتامی سور قرآن کی تفسیر کے حوالے سے صرف آخری تین سورتوں کا تذکرہ کروں کہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورۃ اخلاص قرآن کریم کے تین بنیادی موضوعات یعنی توحید، رسالت اور بعث بعد الموت کے اعتبار سے ثلث القرآن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے اور فرمایا کہ سورۃ لھب میں تذکرہ تھا کہ آپ کے مخالف کو ہلاک کیا جائے گا۔ جیسا کہ ابولہب ہلاک کیا گیا۔ سو ابھی آپ برملا اعلانِ توحید کیجئے اور فرمایا کہ سورۃ اخلاص میں دو دعوے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی توحید واحادیث کا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت (من یصمد اللہ فی الحوائج ابن عباسؓ) اب پہلے دعوے کے لیے دلیل بطورِ حصر عقلی اسی سورت میں ہے آئے کہ نہ والد ہے کہ ولد اس کا ادنیٰ شریک ہے اور نہ ولد ہے کہ والد اس کا اعلیٰ شریک ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی ہمسر ہے۔ لہٰذا نہ اعلیٰ شریک نہ ادنیٰ شریک اور نہ

مساوی شریک ۔ لاشریک ہی ہوا اور بعد میں آنے والی دو سورتوں، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس اللہ الصمد کی دلیل ہے ۔سورۃ الفلق میں تعوذ من الشرور الدنیویۃ اور الناس میں تعوذ من الشرور الدینیہ والاخرویہ جو شیطان سے ہے ۔ اور دونوں قسم کے شرور سے استعاذہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا جاتا ہے اور پھر الناس کے حوالے سے فرماتے ۔کہ ایک اچھا مقرر تقریر میں کئی سارے موضوعات کو چھیڑ کر آخر میں ایک بار پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہے ۔ اور سورۃ الفاتحہ اصل موضوع جس میں الوہیت ، ربوبیت، تخصیص ، عبادت اور مالکیت خداوندی وغیرہ کا تذکرہ ہے، لہٰذا الناس میں بھی ربوبیت الوہیت اور مالکیت کا تذکرہ ہے اور وہاں (سورۃ فاتح میں) مغضوب علیہم اور الضالین کی راہ سے پناہ مانگی گئی ۔ اور یہاں (سورۃ الناس) پر اس کے اصل محرک یعنی شیطان کے وساوس سے ۔ گویا اول و آخر قرآن آپس میں مربوط ہو گیا ۔

آخر میں اتنا عرض کروں کہ حضرت الشیخؒ جیسا انسان سالوں میں کہیں ایک پیدا ہوتا ہے ۔

ے ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ے مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے

چراغِ راہ

اتفاقِ بلبل وگل بارہا خواہد شدن
درمیانِ ماشما وسیر بوستان یا نصیب

آج رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ کی ۲۴ - اور ستمبر ۱۹۷۷ء کی ۸ تاریخ ہے شاہ منصور گاؤں کی وسطی جامع مسجد میں معمول سے زیادہ علماء و فضلاء اور طلباء اور مشائخ کا بے پناہ ازدحام اور ہجوم ہے ۔ ہر ایک چہرے پر خوشی اور غم کے ملے جلے آثار نمایاں ہیں ۔ خوشی اس بات کی کہ آج ختم دورہ تفسیر قرآن ہے ۔ اور غم اس کا کہ ایک مبارک محفل اور پر کیف بزم سے جدائی کا وقت آیا ہے ۔ یہی سلسلہ تو سالہا سال سے جاری تھا لیکن اب کے دفعہ کچھ اور ہی انداز تھا ۔ وہ یوں کہ آج سے دو دن قبل حضرت شیخ القرآن صاحب پر بیماری کا شدید حملہ ہوا تھا اور انہوں نے دو دن سبق بھی نہیں پڑھایا تھا ۔ آج بھی ہر ایک طالب علم چشم براہ تھا اور ساتھ ساتھ پریشان بھی ۔ کہ آیا حضرت الشیخ اس اختتامی تقریب میں شرکت کر سکیں گے یا نہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی غیر موجودگی کی صورت میں محفل کا رنگ پھیکا ہوگا ۔ ابھی سبق شروع ہونے کو چار پانچ منٹ باقی تھے کہ حضرت شیخ القرآن صاحب انتہائی ضعف و نقاہت اور تکلیف کی حالت میں مسجد کے دروازے تک لائے گئے ۔ پھر دو افراد کے سہارے آپ اپنی نشست تک تشریف لائے ۔ اور جلوہ افروز ہوئے ۔ ان کے

صاحبزادے مولانا نورالہادی صاحب نے پارہ عم کی تفسیر نصف آخر سے شروع کی پھر جب آپ نے سورہ لہب تک تفسیر ختم کی تو مائیک حضرت الشیخ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے مخصوص انداز میں پہلے درود شریف پڑھا۔ پھر سورۃ اخلاص کی تفسیر شروع کی۔ مسجد جو کہ اندر اور باہر کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اسے آہستہ آہستہ آہوں اور سسکیوں کی آوازیں شروع ہوئیں۔ ہر ایک آنکھ پر نم اور ہر چشم اشکبار تھی۔ خود بندہ کے دل کا یہ عالم تھا کہ بقول حافظ شیرازی ؎

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

ایسی ہی کیفیت سے وہاں پر موجود ہر شخص دوچار تھا۔ آپ نے اس شدید بیماری کے باوجود ان تینوں سورتوں کی تفسیر بیان فرمائی۔ لیکن ہر ایک دل، ہر آنکھ اور ہر نفس ایک عجیب درد و کرب میں مبتلا تھا۔ ختم تفسیر قرآن کے بعد آپ نے اختتامی کلمات اور نصائح سے طلبا، کو نوازنا شروع کیا۔ گلوگیر آواز میں ہجر و فراق پر مشتمل اشعار سنائے۔ کئی دفعہ آپ، کی سانس رک جاتی۔ چنانچہ اس وقت جو اشعار سنائے وہ بندہ کے نوک زبان ہیں۔ اور جب بھی یاد آجاتے ہیں تو آنکھوں کے سامنے وہی نقشہ رقصاں نظر آتا ہے اور دل کی دنیا میں پھر سے ایک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے آہ کس درد بھرے الفاظ اور انداز میں یہ اشعار سنائے ؎

اتفاقِ بلبل و گل بارہا خواہد شدن
درمیانِ ما شماد سیرِ بوستاں بانصیب
چونکہ گل گشت و گلستان درگذشت
نشنوی زیں پس ز بلبل سرگذشت

چونکہ گل گشت و گلستان شد خراب
بوئے گل را از کہ جوید از گلاب
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

فرمایا کہ پھر کیا معلوم ۔ یہ محفل دوبارہ سج جائے گی یا نہیں ۔ تشنگانِ علوم نبوی ر
کی یہ کہکشاں پھر فروزاں و ضو فشاں ہو گی یا نہیں ۔ فرمایا ۔ درمیان ما شما و سیر بوستاں
یا نصیب ۔ پھر فرمایا ۔ درمیانِ ما شما و سیر بوستاں ۔ تو کافی دیر تک خاموش رہے ۔
حافظ فضل دیان صاحب نے شعر پورا کیا ۔ اور کہا یا نصیب ۔

بندہ کے ساتھ قریب ہی افغانستان کا ایک سفید ریش بیٹھا تھا اس کی حالت
انتہائی خراب اور دگرگوں تھی ۔ زور زور سے رو رہا تھا اور پھر آخر میں بے ہوش ہو گیا
وہ تقریباً تیس سال سے مسلسل اس دورۂ تفسیر میں شریک ہوتا رہا ۔

ویسے تو راقم سطور کئی سال سے اس دورۂ تفسیر کی اختتامی تقریب میں شرکت
کرتا رہا لیکن اس سال ۱۹۷۷ء کو باقاعدہ طور پر تمام دورۂ تفسیر میں شرکت کی ۔ یہ دورۂ
تفسیر کی برکت ہے کہ شاہ منصور جیسا مختصر قصبہ رمضان شریف میں ایک پر کیف و پر
اثر ، روح پرور سماں پیش کرتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ چھوٹے اور بڑے مرد اور عورتیں
تمام قرآن پاک کے ترجمے و تفسیر سے اس قدر لذت آشنا اور مانوس ہو چکے ہیں کہ
اس قصبہ میں کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جن کو قرآن پاک باترجمہ پڑھنا نہ آتا ہو ۔ ایک
دفعہ بندہ درس کے اختتام پر جب مسجد (مسجد قاسم خیل میں اس وقت راقم سطور مقیم
تھے) آیا ۔ تو وہاں ایک بوڑھے زمیندار نے مجھے کہا کہ میں آپ کے پانچ منٹ ضائع کرنا
چاہتا ہوں میں نے کہا ، فرمایئے ! اس نے کہا کہ میرے بیٹے کے نام آپ ایک
تعزیتی خط لکھیں ۔

میں نے عرض کیا۔ بسر و چشم۔ میں نے قلم اور کاغذ لیا اور اس سے کہا کہ آپ بتاتے جائیں۔ میں لکھتا جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے قرآنی آیات سے مرقع اور مرصع ایسا تعزیتی مضمون سنایا کہ میری حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی اور اس سوچ میں غلطاں رہا کہ ایک دیہاتی اَن پڑھ شخص اس قسم کے تعزیتی کلمات سنا سکتا ہے۔

یہ حضرت الشیخؒ کی برکت تھی کہ رمضان المبارک میں شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کا پورا لطف شاہ منصور میں محسوس ہوتا تھا۔ اور آج بھی اس قریہ کی فضا میں ان انفاسِ قدسیہ کی خوشبو اور مہک رچی بسی ہے بقول لسان الغیب [1]

---

[1] حافظ شیرازی رحمۃ اللہ عموماً "لسان الغیب" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس لقب کے بارے میں مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو لسان الغیب اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے کلام میں تکلف و تصنع بالکل نہیں اور یہ آمد سوائے تائید غیبی اور القا کے ممکن نہیں۔ جب کہ مولانا آزاد بلگرامی کا خیال ہے کہ حافظ کو لسان الغیب کا لقب اس واسطے دیا گیا ہے کہ اکثر خوش اعتقاد لوگ اس سے فالیں نکالتے ہیں۔ اور وہ اکثر صحیح نکلتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں بہت دلچسپ واقعات مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہوگئی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی اور ہیرے جواہرات اس میں لگے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں اس کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ کسی شخص کے ہاتھ لگی اور اس کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا تو حکومت کو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ چونکہ عالمگیر کو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت تھی۔ اس سے فال نکالنے اور دیکھنے کی غرض سے دیوان حافظ اٹھایا اور کنیز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ۔ وہ چراغ لے کر آئی۔ انہوں نے دیوانِ حافظ کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا؎

بفروغ چہرہ زلفت ہمہ شب زند رہ دل
چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

(باقی اگلے صفحہ پر)

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

نامِ من رفت است روزے برلبِ جاناں بسوز
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز

جن حضرات نے یہاں پر رمضان شریف کے سرور آگیں لمحات کا مشاہدہ کیا ہے ان کو تو بخوبی علم ہے لیکن جنہوں نے اس پر کیف منظر کو نہیں دیکھا اور اس کی روحانی کشش سے لذت آشنا نہ ہوتے ہوں۔ ان کے لیے مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے یہ الفاظ شاید کچھ سامانِ تسکین کر سکیں۔ انہوں نے اپنے اس روح پرور عبارت میں دینی و روحانی مرکزوں میں رمضان کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے جس کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت الشیخ کے ہاں رمضان کا کچھ یوں ہی عالم تھا۔ لکھتے ہیں۔

"رمضان المبارک کے آتے ہی دینی و روحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی۔ ان لوگوں کے علاوہ جو یہاں پر مستقل قیام پذیر ہوتے تھے۔ شیخ و مرشد سے بیعت و عقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آجاتے تھے یہ روحانی مرکز تلاوت اور نوافل و عبادات سے اس طرح معمور ہو جاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام اور رمضان کے بعد کوئی رمضان آنے والا نہیں۔ ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا۔ اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان

(بقیہ گزشتہ سے) انہوں نے کنیز کی تلاشی لی اور وہ اس کی کمر سے برآمد ہوئی۔

ہمایوں بادشاہ بھی دیوانِ حافظ سے فال نکال لیا کرتا تھا۔ ایران سے فوج لے کر جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو دیوان سے فال نکالی یہ شعر نکلا ؎

عزیزِ مصر برغم برادرانِ غیور   زقعرِ چاہ برآمد باوجِ ماہ رسید

بالآخر کئی لڑائیوں کے بعد ہندوستان پر قابض ہوا۔ اس سلسلے میں بندہ کے اپنے بھی کچھ تجربات ہیں (ذاتی)

ہی کا نہیں زندگی کا آخری دن سمجھتا۔ اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور
عملی تفسیر بن جاتا ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی دیر کے لیے اس ماحول میں آجاتا تو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔ افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی بلکہ سرگرمی پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی۔ بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو کہ دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا اور مردہ دلوں میں ایک بجلی پیدا کر دیتا۔ جو شخص اس ملکوتی فضا کو دیکھتا۔ اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اور دین و روحانیت کی شمع کے پروانوں کا ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہو کر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لیے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں دنیا تباہ نہ ہوگی۔ اور زندگی کی اس بساط کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا ؎

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است[1]

مولانا ندوی کے اس طویل اقتباسات سے مقصد رمضان شریف میں ان روحانی مراکز کی روح پرور فضاؤں کی دل آویزی کا نقشہ دکھانا تھا البتہ انہوں نے صرف خانقاہوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن آپ کے یہ الفاظ بہاولنگر میں محفل تفسیر قرآن پر پوری طرح صادق آتے ہیں۔ جب پندرہ شعبان کو پوری روحانی آب و تاب کے ساتھ یہ بزم قدسی سج جاتی۔ اور ۲۴ رمضان المبارک تک قائم رہتی۔

---

[1] سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صد ۱۲۳



باب اوّل

قصبہ شاہ منصور کی تاریخی حیثیت

قبل اس کے کہ ہم اپنے اصل عنوان کی طرف رجوع کریں اور حضرت الشیخ کے حالاتِ زندگی پر کچھ لکھیں ضروری ہے قصبہ شاہ منصور کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیں کہ طلبہ علم دین و علماء اور مشائخ و صلحاء کا یہ مرکز کس سن میں آباد ہوا۔ اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ شاہ منصور کون تھا؟

شاہ منصور

ملک سلیمان شاہ اور سلطان شاہ جو کہ پٹھانوں کے مشہور قبیلہ یوسف زئی سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں بھائی ملک تاج الدین بن ملک رزڑ کے بیٹے اور نہ صرف قبیلہ یوسف زئی کے سردار اور ملک تھے بلکہ تمام اقوام خخی یا خشی (یوسف زئی۔ گگیانی ترکلانی بشمول محمد زئی) کے سرداروں اور ملکوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق یوسف زئی مقام گاڑہ اور نوشکی میں اور غوریا خیل خصوصاً خلیل ترنک مقر اور قرہ باغ میں آباد تھے کسی سبب سے ان دونوں قبیلوں میں آپس میں لڑائی ہو گئی۔ غوریا خیل نے سارے خشی کو شکست دی اور یہ ملک ان سے چھین لیا۔ چنانچہ کل خخی (خشی) اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نشیب کی طرف چل کر کابل آ گئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دبدبے اور شوکت کے مالک ہو گئے۔ اور کابل کے مضافات کے تمام حدود اپنے زیر تصرف لے آئے۔

قاضی عطاءاللہ صاحب اپنی مشہور تالیف "د پختنو تاریخ" میں لکھتے ہیں۔

یوسف زئی اس ملک میں چار سو سال سے کچھ زیادہ مدت سے یہاں آباد ہیں یہ قوم گارو اور نوشکی کے اصل باشندے ہیں۔ نوشکی سیستان کے علاقے میں دشتِ لوط کے کنارے واقع ہے۔ یہ قبیلہ درحقیقت پٹھانوں کی خشی قوم کی ایک شاخ ہے جس کی اور شاخیں گگیانی۔ ترکلانی اور محمد زئی تھے۔ تقریباً ۱۲۰۰ء کے اواخر اور ۱۴۰۰ء کے آغاز میں یہ چاروں قبیلے دیگر اقوام کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اس علاقے سے نکال دیئے گئے۔ وہاں سے آکر یہ لوگ خراسان اور کابل کے گردونواح میں آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ انہوں نے یہاں پر کافی اثر و رسوخ پیدا کیا۔

مرزا الغ بیگ یہ مرزا ابو سعید کا بیٹا اور تیموری خاندان کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ بلکہ امیر تیمور کے پوتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تیمور تک اس کا شجرہ یوں ہے۔

الغ بیگ مرزا ابن ابو سعید مرزا ابن سلطان محمد مرزا۔ ابن میران شاہ مرزا۔ ابن امیر تیمور۔

تاریخ پشتون کے مطابق جب سلطان ابو سعید مرزا ہرات میں شہید ہوا تو اس وقت اس کے گیارہ لڑکے تھے۔ سلطان احمد مرزا۔ الغ بیگ مرزا۔ سلطان عمر مرزا۔ مرزا شاہ رخ، عمر شیخ مرزا۔ سلطان مراد مرزا۔ سلطان خلیل مرزا اور سلطان مرزا بقیہ تینوں کے نام درج نہیں) ان میں سے چار بادشاہ ہوئے۔ اور اپنے باپ کے عہد میں مختلف مملکتوں میں بادشاہت کرتے رہے۔ الغ بیگ مرزا کابل میں۔ سلطان احمد مرزا سمرقند میں۔ سلطان محمد مرزا حصار قندز اور بدخشاں میں اور عمر شیخ مرزا اندجان اور فرغانہ میں۔

لیکن تاریخ پشتون کے اس اقتباس کے برعکس قاضی عطاءاللہ صاحب لکھتے ہیں

کافی زمانے سے کابل پر تیموری خاندان کی حکومت تھی۔ لیکن جب مرزا ابو سعید کا انتقال ہوا تو کابل کی بادشاہت ان سے چلی گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا الغ بیگ اپنے والد کے زمانہ میں کابل کے حکمران نہ تھے۔

پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یوسف زئی قبیلے کے لوگ یہاں کابل میں آباد ہو گئے اور انہوں نے کافی اثر و رسوخ پیدا کیا تھا۔ اس لیے جب مرزا الغ بیگ کو کابل پر حکمرانی کا خیال آیا۔ تو انہوں نے قبیلہ یوسف زئی کے ساتھ مل کر کابل کی حکمرانی کا مہم سر کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا الغ بیگ چند مغلوں کے ساتھ ماوراء النہر سے انتہائی کم عمری میں شکستہ حال و پریشان خاطر یہاں آیا تھا۔ ملک سلیمان شاہ کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہوا اور وہ اس کے ساتھ انتہائی محبت کرتا تھا اس کو بیٹوں کی طرح پالا اور اس کی تربیت کی۔

تواریخ حافظ رحمت خان کے مطابق اس پرورش اور تربیت سے سلیمان شاہ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے جب بڑا ہو جائے گا تو اس کو بادشاہ بناؤں گا۔ اس کی حکومت میری ہو جائے گی۔ اور اسی طرح خشی بالخصوص یوسف زئی صاحب جاہ ہو جائیں گے۔ ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ کو پالا پوسا اور اس کی کما حقہ تربیت کر کے کمال تک پہنچایا بعد ازاں اسے کابل کا بادشاہ بنایا۔ خطبہ اور سکہ اسی کے نام سے جاری ہو گئے۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہو گئی اور مغل بھی اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو گئے۔

یوسف زئی اور مرزا الغ بیگ کے درمیان اختلاف

تواریخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے

کہ مرزا الغ بیگ جب مستقل بادشاہ بن گیا تو یوسف زئی کے بارہ اس کی نیت میں تبدیلی آئی۔ کیونکہ یوسف زئی ہر لحاظ سے غالب تھے۔ وہ مرزا الغ بیگ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک اور سلیمان شاہ اور یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ انہی دنوں گگیانی قوم اور یوسف زئی کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

مرزا نے سوچا کہ کیوں نہ اختلافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پہلے ان دونوں قبیلوں پر علیحدہ علیحدہ چڑھائی کروں گا پھر ان کو زیر کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنالوں گا۔

تواریخ رحمت خانی کے مطابق بالآخر گگیانیوں نے احسان فراموشی کرتے ہوئے بادشاہ کو ملک سلیمان شاہ کا نام بتایا کہ ہمیں اس نے اس حملہ سے خبردار کیا تھا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہوا۔ اور یوسف زیوں سے انتقام لینے کی تیاری میں مصروف ہوا۔ پھر گگیانی قوم کو اپنے ساتھ ملا کر یوسف زیوں پر بھرپور حملہ کیا۔ لیکن اس جنگ میں ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں بادشاہ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ یوسف زئی کو بزور شمشیر زیر نہیں کر سکتے۔ آپ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ اور اس حیلہ بہانہ سے آپ ان کو ختم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور یوسف زئی کے پاس قاصد بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور آئندہ کے لیے میں آپ کے ساتھ بدعہدی نہیں کروں گا۔ اور کچھ تحائف بھی ان کے پاس بھیج دیئے۔ اور ساتھ ساتھ انہیں اپنے آنے کی بھی دعوت دی۔

چنانچہ ملک سلیمان شاہ اپنے ساتھ تقریباً سات سو سرکردہ ملکوں اور سرداروں کو لے کر دربار پہنچا۔ بادشاہ نے ان کی پوری آؤ بھگت کی۔ اور انتہائی عزت واحترام اور اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو اپنے محل میں اتارا۔ پھر ان کو اپنے امراء و سلاطین میں تقسیم کیے۔ اور کہا کہ یہ امراء آپ لوگوں کی الگ الگ ضیافت کریں گے۔

مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور مصاحب سے کہا کہ ان تمام یوسف زیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھیں اور انہیں بادشاہ کے دربار میں حاضر کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بقول صاحب تواریخ حافظ رحمت خانی القصہ جس دن مرزا نے یوسف زیوں کو قتل کیا، گگیانیوں کے سردار بھی وہاں موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے

سات سو چیدہ مردان یوسف زئی دست بستہ تمھارے حوالے ہیں۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو۔ اور اپنا عہد پورا کرو۔ باقی سب کی گردنیں میرے جلاد اڑا دیں گے۔

ملک سلیمان شاہ بہت سراسیمہ ہوئے اور بادشاہ سے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ کتنے احسانات کیے ہیں۔ پھر کہا کہ اگر تم مجھے قتل کرنا نہیں چاہتے۔ تو ایسا کرو کہ میرے بھتیجے ملک احمد کو چھوڑ کر ان کی جگہ مجھے قتل کریں۔ اور دوسری بات یہ کہ ان لوگوں کے قتل کے بعد آپ یوسف زئی قوم سے کچھ تعرض نہ کریں۔ یہ لوگ جہاں چاہیں انہیں جانے دیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ملک سلیمان شاہ کو قتل کیا اور اس کے بجائے اس کا بھتیجا ملک احمد چھوڑ دیا۔

چونکہ ان سرداروں کے قتل کے بعد یوسف زیوں پر عرصہ حیات تنگ ہوا تھا اس لیے یہ لوگ اپنے ساتھ بچا کھچا اثاثہ لے کر پشاور آئے۔ اور یہاں پر دلازک نے ان کے لیے علاقہ دوابہ منتقل کر دیا۔ بعد ازاں ان کا ملک وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تا آنکہ یہ لوگ سوات پر بھی قابض ہوئے۔

قاضی عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ الغ بیگ کے پاس اپنے وطن سے کافی تعداد میں مغل بھی آ پہنچے تھے اس لیے اس نے یوسف زئی سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے گگیانی اور یوسف زئی کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ اس میں ناکام ہوا تو اس نے از خود ان پر حملہ کیا۔ مگر اس میں بھی اس کو شکست ہوئی۔ پھر ان کے ساتھ صلح کر کے دھوکہ سے ان کے جرگہ کو تہ تیغ کر ڈالا۔

بابر اور یوسف زئی

جب کابل کے حکمران مرزا الغ بیگ کا ۹۰۷ھ میں انتقال ہوا تو کچھ مدت بعد بابر بادشاہ جو کہ الغ بیگ کا چچا تھا

کابل پر قابض ہوا۔ پھر جب ظہیر الدین بابر ہندوستان پر قبضہ کرنے کی خاطر لشکر لے کر کابل سے روانہ ہوا تو پشاور سے آگے مردان ضلع میں جب داخل ہوا تو اس نے یوسف زیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ یہ حملہ آپ نے دلازاک کے اکسانے پر کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بابر کو مرزا الغ بیگ کے سلوک کا علم تھا۔ اس کو خیال آیا کہ یوسف زیوں کے دل مغلوں سے صاف نہیں ہو سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندوستان پر حملہ کر دوں اور پیچھے سے یوسف زئی ہم پر دھاوا بول دیں۔ اس وجہ سے اس سے بھی یوسف زئی کے قتل عام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ باجوڑ پر اس نے قبضہ کیا اور کاٹلنگ و شہباز گڑھی تک اس نے لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کیا اور علاقہ صوابی میں بھی اپنا لشکر بھیج دیا۔ ان تمام جنگوں میں یوسف زئی پہاڑوں میں روپوش رہے۔ اور بابر نے کبھی بھی ان پر مکمل فتح حاصل نہیں کی۔ بالآخر بادشاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان یوسف زیوں کے ساتھ رشتہ داری اور دوستی اختیار کرنی چاہیئے۔

ملک شاہ منصور

چنانچہ ملک شاہ منصور کی دختر نیک اختر بی بی مبارکہ کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی[1]۔ ملک شاہ منصور تو اس رشتہ پر راضی نہ تھا لیکن اپنی قوم کے جرگہ اور خود اس کے چچا زاد بھائی ملک احمد نے اس کو مجبور کیا کہ یہ رشتہ آپ قبول کر لیں۔ اس لیے کہ ہم اب بے سرو ساماں ہیں۔

جناب روشن خان صاحب محشی تواریخ حافظ رحمت خانی رقمطراز ہیں۔

تزک بابری میں اس رشتے کے بارے میں درج ہے۔ اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے۔ ان سے درخواست کی گئی۔ چنانچہ انہوں نے منظور کر کے ۲۸ محرم ۹۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کا بھائی طاؤس

---

[1] تواریخ حافظ رحمت خانی میں یہ واقعہ بہت دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ فانی

خان دلہن کی ڈولی کے ساتھ آیا۔

دوسرے مقام پر روشن خان صاحب لکھتے ہیں کہ۔

ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تھا تو افغانی آغاچہ ان کے ساتھ تھی۔ آمدم برسر مطلب۔ ان تمام تاریخی واقعات سے میرا مطلب یہ ہے کہ ملک شاہ منصور جس کی بیٹی [1] کی شادی ظہیرالدین بابر سے ہوئی تھی یہ (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) ملک شاہ منصور، ملک سلیمان شاہ مقتول کا بیٹا ملک سلطان شاہ کا بھتیجا اور ملک احمد کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ قصبہ شاہ منصور آپ ہی کے نام سے مشہور ہے اور یہ قصبہ آپ نے ۹۲۰ھ اور ۹۴۰ھ کے درمیان مدت میں آباد کیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق وہ اس سٹیٹ کا والی تھا اور یہ مقام آپ کا پایۂ تخت تھا۔

---

[1] گو کہ پختون روایات کے مطابق بیٹی کے رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن یہ واقعات تاریخی حقائق ہیں اس لیے ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ ظہیرالدین بابر کا خیال تھا کہ اس رشتہ سے مغلوں اور یوسف زیوں کے درمیان جو کشیدگی پائی جاتی ہے وہ کم کی جائے لیکن اس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس لیے کہ اگرچہ وقتی طور پر ان کے درمیان فضا سازگار ہوئی تھی۔ لیکن بابر کی وفات کے بعد اکبر کے عہد میں دوبارہ مغلوں اور یوسف زیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور یوسف زیوں کے ہاتھوں ان کے نامور جرنیل مارے گئے تھے جس میں اس کا مشہور ظریف الطبع وزیر راجہ مہیش داس عرف بیربل سرفہرست ہے اکبر نے پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ یوسف زیوں سے جنگ کے لیے بھیجا تھا لیکن وہ بونیر کی وادیوں میں مارا گیا۔ اس کی موت پر اکبر بادشاہ کو بہت دکھ پہنچا تھا۔ (فانیؔ)

تو اریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق آپ کا شجرہ نسب یوں ہے ۔

رزڑ

ملک زئی (ملک قاسم)

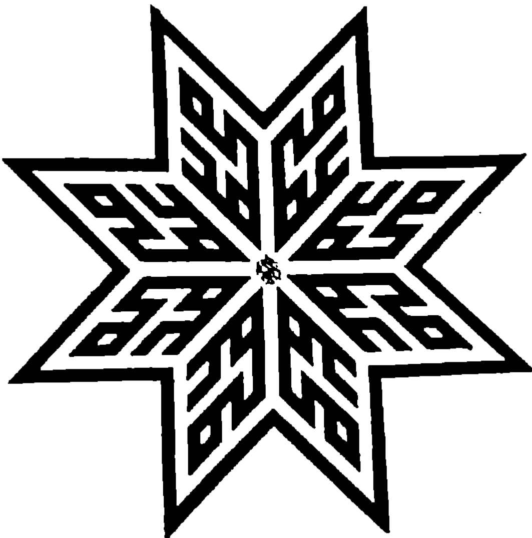
تاج الدین ۔ یونس خیل ۔ بادین خیل ۔ معروف خیل

(تاج الدین): سلطان شاہ ۔ بہرام خیل ۔ خیرالدین ۔ سلیمان شاہ ۔ عیسٰی ۔ نیکی خیل

(سلیمان شاہ): سیدخان ۔ محمد خان ۔ طاؤس خان ۔ شاہ منصور

(شاہ منصور): میر جمال ۔ مبارکہ بی بی

(سلطان شاہ): ملک احمد خان ۔ محمد میرک



باب دوم

سوانحی تذکرہ

ولادت وابتدائی تعلیم

موضع شاہ منصور میں مولانا عبداللہ صاحب کے ہاں ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد فارسی نظم کی کتابیں گلستان و بوستان، یوسف زلیخا وغیرہ ہند کے مشہور ریاضی دان مولوی صاحب سے پڑھیں۔ ابتدائی رسائل چھوٹے لاہور (صوابی) کے مولانا محمد زمان شاہ صاحب عرف ابا صاحب، میاں ڈھیری کی مشہور روحانی وعلمی شخصیت مولانا سید حسین شاہ اور موضع درہ (تحصیل صوابی) کے مولانا محمد انعام سے پڑھے۔ اسی طرح صرف میر موضع لنڈیواہ (تحصیل لکی مروت) کے علامہ محمد عبدالقہار صاحب عرف مروت مولوی صاحب سے حفظ کی۔ فرماتے تھے کہ میں نے تحصیل علم کے لیے علاقہ مروت کا سفر بھی کیا ہے۔ وہاں پر میرے برادر بزرگ مولانا عبدالباقی[1] صاحب کافیہ پڑھتے تھے اور میں صرف میر حفظ کرتا تھا۔ اُس وقت اس علاقہ میں پانی کی شدید

---

[1] مولانا عبدالباقی صاحب حضرت الشیخ کے برادر بزرگ تھے، آپ نے بھی دورۂ حدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا غورغشتوی رح سے پڑھا، اور آپ کے اوّلین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، دیگر اساتذہ میں مولانا محمد صاحب زروبوی زیادہ مشہور ہیں، آپ انتہائی قابل عالم اور بہترین خوشنویس تھے، آپ کے تحریری افادات آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالباری صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ فانی

قلت تھی۔ فرمایا کہ ماڑی انڈس تک ہم ریل میں سفر کرتے اور اس کے بعد لنڈیلواہ تک پیدل جاتے

اعلیٰ تعلیم اور سندِ حدیث کافیہ اور جامی علاقہ چھچھ کے ولیہ مولوی صاحب سے مختصر المعانی اور مطول وغیرہ کتب معانی موضع بام خیل کے سودائی مولوی صاحب سے۔ منطق و حکمت کی منتہی کتابیں مولانا حبیب اللہ صاحب زوربی عرف صاحب حق صاحب، مولانا قطب الدین غور غشتویؒ، مولانا عبدالحکیم صاحب آزدا گئی، مولانا محمد صدیق صاحب اور مولانا گل کا کا (مولانا غور غشتویؒ کے بھائی) سے پڑھیں۔ تکمیلِ فنون کے بعد سند حدیث اور دورۂ حدیث کے لیے غور غشتی تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتویؒ کے شہرۂ آفاق درسِ حدیث میں شرکت کی۔ دو سال مسلسل آپ نے ان سے دورۂ حدیث میں سبق لیا۔

دورۂ تفسیر تحصیل علوم و فنون کے بعد آپ دورۂ تفسیر کے لیے ضلع میانوالی کے قصبہ واں بھچراں تشریف لے گئے اور وہاں پر عارف باللہ مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ سے دورۂ تفسیر قرآن پڑھا۔ ایک دفعہ راقم نے آپ سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے مولانا حسین علی صاحب کے پاس کتنا وقت گذارا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ میں تفسیر قرآن کے مکمل ضبط تک اپنے شیخ کے پاس رہا، اور جب مجھے یقین آیا کہ میں اب دورۂ تفسیر قرآن پڑھانے کے قابل ہوں، تب میں وہاں سے اپنے علاقہ اور گاؤں کو واپس آیا۔

بیعت و سلوک اپنے اُستاذِ تفسیر حضرت مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور انہی کے خلیفہ و ماذون تھے۔

دار العلوم تعلیم القرآن دورۂ تفسیر و حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں ۱۹۲۷ء میں مدرسہ

تعلیم القرآن کی بنیاد ڈالی اور اس میں حسبۃً للّٰہ پڑھاتے رہے ، فرماتے کہ میرے شیوخ اور اساتذہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ بغیر اُجرت کے سبق پڑھاتے اور تدریس کرتے ، اس لیے میں ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہوں ۔ اس مدرسہ میں آپ ایک سال مکمل دورۂ حدیث پڑھاتے اور ایک سال موقوف علیہ ۔ فارغ اوقات میں فنون کی کتابوں کا درس بھی دیتے ، اس کے ساتھ روزانہ ترجمہ وتفسیر قرآن آپ کا وظیفہ رہا ۔ ۱۵ ارشعبان سے لے کر ۲۰ ررمضان تک دورۂ تفسیر قرآن کا بھی اہتمام فرمایا ۔ دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر کے اختتام پر ایک عظیم الشان سالانہ جلسۂ دستار بندی بھی منعقد فرمایا کرتے تھے ، جس میں علاقہ کے مشاہیر علماء ومشائخ کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی قدس سرہٗ اور کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ خصوصیت کے ساتھ شرکت فرماتے اور فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی ہوتی ۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رہتا ۔ ابھی تک تو یہی سلسلۂ درس وتدریس جامع مسجد میں جاری رہا ۔ اب اس دارالعلوم تعلیم القرآن نے ایک عظیم دینی درسگاہ کی صورت اختیار کرلی ہے ، اور اب صوابی روڈ پر برلبِ سڑک اس کی خوبصورت عمارت ہے ۔

ایک لطیفہ راقم الحروف کے تایا مولانا عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ جو کہ حضرت الشیخؒ کے ساتھ غورغشتی میں فنون کی بعض کتابوں میں ہم درس رہ چکے ہیں ، نے بندہ کو بتایا تھا کہ میں ، گوکا مولوی صاحب (حضرت الشیخؒ کا عرف) اور موضع مانیری کے مولانا فضل حسین[له] صاحب مرحوم ، ہم غورغشتی میں اکٹھے رہتے تھے ، جمعہ کی

له مولانا فضل حسین صاحب مولانا فضل محمود کے گھر مانیری پایاں (تحصیل صوابی) میں پیدا

بقیہ اگلے صفحہ پر

رات کو حضرت غورغشتوی ہم سے تقریر کی مشق کرلیتے، چونکہ مولانا فضل حسین صاحب انتہائی کم گو اور خاموش مزاج انسان تھے، جب ان کی نوبت آتی تو وہ خاموش کھڑے رہتے، پھر اس کو حضرت غورغشتوی فرماتے بیٹھ جاؤ، اور ہیں اور کو کا مولوی صاحب اپنی باری پر کچھ نہ کچھ سناجاتے، پھر جب یہ محفل ختم ہو جاتی اور حضرت غورغشتوی گھر تشریف لے جاتے تو مولانا فضل حسین صاحب ہم دونوں کو مخاطب کرتے کہ تم دونوں بہت بے ادب ہو، اُستاد کے سامنے تقریر کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی ۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد فارسی نظم کیلئے موضع ہنڈ تشریف لے گئے ۔ کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں جلالیہ علاقہ چھچھ میں پڑھیں ۔ اس کے بعد مولانا عبدالحکیم اور مولانا محمد صدیق صاحب سے معقولات اور حکمت میں درس لیا جب مولانا عبدالحکیم فوت ہوئے تو آپ زروبی تشریف لائے اور وہاں پر حضرت صاحب حق صاحب سے اور اس کے بعد غورغشتی میں مولانا قطب الدین غورغشتوی اور مولانا گل بابا سے معقولات کی کتابیں پڑھیں ۔ تکمیل فنون کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین سے دورۂ حدیث پڑھا ، بعد ازاں آپ اجمیر تشریف لے گئے اور مولانا معین الدین اجمیری سے بھی استفادہ کیا ، اور وہاں پر ایک دینی درسگاہ میں مدرس مقرر ہوئے ، تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے اور اپنے گاؤں میں تدریس شروع کی ، اس وقت آپکے پاس ۔۔۔ اسے لیکر ۵ اٹک طالب علم زیر تعلیم رہتے پھر حضرت الشیخ شاہ منصوری اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نے آپ کو مولانا غورغشتوی کا حکم سنایا کہ آپ تدریس کیلئے راولپنڈی تشریف لے چلیں ، چنانچہ آپ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے ساتھ راولپنڈی چلے گئے ۔ ۲ سال تک وہاں پر تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لائے اور تادم واپسیں وہاں پر مسند پر درس دیتے رہے ۔ اس دوران کئی مدارس سے آپ کو تدریسی خدمات انجام دینے کی پیشکش کی گئی ۔ لیکن آپ نے انکار کیا ۔ ۲۱ دسمبر ، ۱۹ ء کو آپ کا انتقال ہوا ۔ (رفاقی)

ہم اُن کو کہتے کہ تم بزدل ہو، اپنی بزدلی کو ادب کا نام دیا ہے، اُستاذ کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتے تو ہمیں بے شرم اور بے ادب ہونے کا طعنہ دیتے ہو، ہم تو تب بے ادب ہوتے کہ اُستاذ کے حکم کے بغیر کچھ حرکت کرتے، اور یہ تو عین ادب ہے جب اُستاذ صاحب نے ہمیں حکم دیا اور ہم نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تقریر کی۔

الحمد لله خالق الارض والسماء المتوحد بالسمو والسنا معطی الآء لمن دعاه عند الاضطرار والابتلاء رازق المکونات فی شقوق الصخور وقعور الآماء والصلوٰة والسلام علیٰ سید الرسل والانبیاء۔ شافع المذنبین یوم الجزاء وعلیٰ اٰله الکرماء واصحابه الاشداء الرحماء۔ اما بعد فیقول العبد الفاقر الی رحمة الله الغنی الهادی عبد الهادی بن عبد الله عاملهما الله بفضله البادی فی العواقب والمبادی ان الاخ الصالح الموسوم...... لما قرء تفسیر القرآن عندی فاجزت له ان یدرس التفسیر عاملا وماحیا به للبدعات بارك الله تعالیٰ فی عاله وقاله ووفقه لتعلیمه وتفهیمه واجازنی شیخی حسین علی البنجابی رحمة الله تعالیٰ علیه واجازه محمد عثمان واجازه دوست محمد القندهاری واجازه الشاه احمد سعید واجازه الشاه عبد العزیز واجازه الشاه ولی الله الدهلوی واجازه محمد فاضل السندی واجازه عبد الخالق واجازه الشیخ البقری واجازه عبد الرحمٰن الیمنی واجازه الشیخ سجادة الیمنی واجازه الشیخ ابو نصر الطبلاوی واجازه شیخ الاسلام زکریا والبونعیم العقبی ایضاً واجازه کل واحد منهما الشیخ محمد بن الجزری واجازه ابو العباس احمد بن الحسین واجازه والده

واجازہ ابو محمد القاسم واجازہ احمد بن علی و محمد بن سعید و محمد بن ایوب واجازھو علی بن محمد المقری واجاز احمد بن سہیل واجازہ عبید بن الصباح واجازہ حفص واجازہ عاصم واجازہ عبید بن حبیب و زر بن جیش واما عبید بن حبیب فاجازہ عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وابی بن کعب و زید بن ثابت وابن مسعود واجازھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما زر بن جیش فاجازہ عثمان بن عفان وابن مسعود واجازھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اکسٹھ سال

آپ نے اپنی حیاتِ مستعار کے پورے اکسٹھ سال درس وتدریس اور ترجمہ وتفسیر قرآن میں گذارے یہ قابلِ رشک زندگی اور یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی ومہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے بندہ کے استفسار پر ایک مجلس میں فرمایا کہ میں جب شاہ منصور میں حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب مرحوم کے پاس ابتدائی رسائل پڑھتا تھا تو اس وقت بھی آپ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔

علمی سیاست اور حج بیت اللہ

۱۹۵۳ء میں آپ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ آپ کا شمار چونکہ خلوت نشینانِ خانقاہ وجلوت نشینانِ مدرسہ میں ہوتا تھا۔ درس وتدریس کے علاوہ آپ کا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ روز وشب یہی مشغلہ یہی دھن، لیکن ۱۹۷۱ء میں صدر پاکستان (اس وقت کے) جنرل یحییٰ خان نے عام انتخابات کا اعلان کیا اور ملک کی تمام سرکردہ پارٹیوں نے اس انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو جمعیت العلماء اسلام کے اکابرین

کے اصرار اور پُر زور تقاضا پر آپ قومی اسمبلی کے انتخاب کے لیے نامزد کر دیئے گئے فرماتے تھے کہ میرا قومی اسمبلی کی نشست سے کیا تعلق! لیکن ان لوگوں نے اصرار کیا اور میں نے بھی جب دیکھا کہ بڑے بڑے بزرگ مثلاً مولانا مفتی محمود (آپ حضرت مفتی صاحب کو محمود صاحب فرمایا کرتے) مولانا غلام غوث ہزاروی اور اکوڑہ خٹک کے مولانا عبدالحق صاحب بھی قومی اسمبلی کی نشست کے لیے نامزد کیے گئے ہیں۔ اس لیے میں بھی ان کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اس میدان میں اتر آیا۔

وفات

آپ نے ایک سو آٹھ سال کی طویل زندگی پائی، اور ایک عالم کو قرآنی علوم و معارف اور ارشاداتِ نبوی کی ضوء فشانیوں سے فیضیاب اور روشن کرنے کے بعد بالآخر ۲۳ اگست ۱۹۸۷ء مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ کو راہی خلدِ بریں ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تاریخی جنازہ

جُونہی آپ کی وفات کی خبر پھیلی اور نماز جنازہ کے وقت کا اعلان ہوا، انسانوں کا ایک طوفانِ بلاخیز اور موجیں مارتا ہوا سمندر تھا گویا ہاتفِ غیبی نے اطراف و اکناف میں آپ کی وفات کی خبر دی تھی، جو اس جنازے میں شرکت کے لیے بے تاب تھا۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا نورالہادی نے پڑھائی۔ اس موقع پر مجھے اُس شخص کا قول یاد آیا جس نے امام اہلسنت والجماعت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جنازہ میں شریک لاکھوں افراد کو دیکھ کر بے ساختہ کہا تھا ھٰکذا اجناءِ من اھل السنۃ والجماعۃ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۶۵ اور ۷۰ ہزار کے لگ بھگ مسلمانوں نے اس تاریخی جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ صوبہ سرحد میں ایسا عظیم الشان جنازہ کسی نے بہت کم دیکھا ہوگا۔ بالکل اسی طرح منظر تھا جو کہ مولانا علی میاں نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی وفات پر لکھا ہے۔

"بالآخر وہ وقت آگیا کہ نصف صدی کا پُر مشقت اور طویل مجاہدہ کا سفر طے کرنے والا اپنی آخری آرامگاہ پر پہنچے، اور اپنی محنت و وفاداری کا انعام پائے۔ ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو حاضری کا پیام آیا اور نمازِ عشاء میں بحالتِ سجدہ انتقال ہوا، اور خادم القرآن قرآن کے نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔ جنازہ میں لوگوں کے پروانہ وار ہجوم اور اجتماعِ عظیم کا وہ منظر تھا جو لاہور کے سے عظیم شہر نے مدت دراز تک نہیں دیکھا تھا اور شاید مدت دراز تک نہ دیکھے۔ غروب آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعتِ دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور خاک کے پردے میں نہاں ہو گیا۔"

اس قابلِ رشک موت پر ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ خدا ہمیں بھی ایسی موت نصیب کرے۔

وہ سرکھولے ہماری لاش پر دیوانہ وار آئے
اسی کو موت کہتے ہیں تو یا رب بار بار آئے

کہتے ہیں کہ عجائباتِ عالم میں ایک عجوبۂ روزگار تاج محل ہے (مقبرہ ممتاز محل بمقام آگرہ) ایک انگریز اور اس کی بیوی اس عظیم محبت کی یادگار کو دیکھنے کے لیے آئے، انگریز کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم مجھ پر اس طرح مقبرہ تعمیر کروا سکتے ہو تو میں اسی وقت موت کو گلے لگا سکتی ہوں"۔ کچھ یہی حال وہاں پر موجود ہر شخص کا تھا۔

تلامذہ آپ چونکہ قوی حافظہ اور مضبوط استعداد کے مالک تھے۔ اس لیے زمانہ طالبعلمی ہی سے آپ طلبہ کو کتابیں پڑھاتے چنانچہ آپ کے صاحبزادے

مولانا نورالہادی نے مولانا فضل الرحمٰن ساکن ملکہ کڑی (تحصیل صوابی) سے روایت کی ہے کہ میں (مولانا فضل الرحمٰن) اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب قدس سرہ نے حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختصر المعانی اور قطبی جیسی کتابوں میں طالبعلمی کے دوران درس لیا تھا۔

علاوہ ازیں تکمیل علوم وفنون کے بعد جب آپ نے اکسٹھ (۶۱) سال تک تدریس کی، تو اس دوران آپ سے صرف دورۂ تفسیر میں تقریباً تیس ہزار تک پاکستان ایران، افغانستان اور ملحقہ قبائل کے تلامذہ مستفیذ ہوئے اور دیگر باقاعدہ شاگرد جنہوں نے آپ سے حدیث اور دیگر فنون میں درس لیا، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

تصانیف

(۱) تفسیر البرہان فی مشکلات القرآن	عربی	مطبوعہ
(۲) تسہیل البخاری	〃	〃
(۳) تسہیل الترمذی	〃	〃
(۴) تسہیل المشکوٰۃ	〃	〃
(۵) تلخیص العقائد	〃	〃
(۶) بیان النظیر فی عنوان التعبیر	〃	غیر مطبوعہ

اولاد بڑے صاحبزادے کا نام مولانا نورالہادی اور دوسرے کا نام فیض الباری مولانا نورالہادی صاحب اپنے عظیم والد کے طرز پر دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں اور اپنے والد کی وفات کے بعد آپ کے جانشین مقرر کر دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ رح کی برکات ان کی اولاد اور ہم تلامذہ و مستفیدین پر نازل فرمائے۔ آمین۔ وجدت ربّی راضیًا مترضیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لم یبق من النبوّت الا المبشرات قالوا ما المبشرات قال الرؤیاء الصالحہ۔ اس ارشادِ نبوی

کے مطابق صرف ایک خواب پر اکتفاء کرتا ہوں ۔ (گو کہ آپ کی وفات کے بعد بہت سے علماء، مشائخ اور طلبہ نے آپ کے بارے میں بہت بہترین خواب دیکھے) جو کہ مدرسہ حمایت الاسلام علجی کنڈر خیل پشاور کے مہتمم میاں صاحب کی طرف منسوب ہے، انہوں نے کہا کہ جس رات حضرت الشیخ رح کا انتقال ہوا، دوسری رات میں نے خواب میں حضرت الشیخ رح کی زیارت کی، آپ انتہائی نفیس اور خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا آپ کس حالت میں ہیں فرمایا۔ وَجَدْتُ رَبِّیْ رَاضِیًا مَّرْضِیًّا۔



باب سوم

تذکرۂ اساتذہ کرام و مشائخِ عظام

آپ نے جن اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام سے اکتساب فیض کیا ہے۔ ضروری ہے کہ ان کا بھی مختصر تعارف ہو جائے۔ ان میں سے بعض تو شہرت دوام کے مالک ہیں۔ اور بعض کے سوانح حیات ابھی تک پردۂ خفاء میں ہیں۔ بندہ کو ان حضرات کے بارے میں جتنا مواد میسر ہوا۔ اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

علامہ قطب الدین غورغشتوی رح

آپ کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب "میری داستانِ حیات" میں رقمطراز ہیں۔

مولانا قطب الدین بن شہاب الدین بن بہاء الدین بن سعد الدین کے اجداد سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں قندہار سے آئے تھے۔ فریضۂ جہاد سے فارغ ہو کر اتفاقاً غورغشتی سے گزرے اور لوگوں نے وہیں ٹھہرالیا۔ مولانا قطب الدین صاحب مختلف اساتذہ سے نصابی کتب پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث شریف کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر مختلف درسگاہوں مثلاً علی گڑھ فتح پوری چکوال مکھڈ وغیرہ میں درس دیتے رہے۔ اور کئی ہزار نامور شاگرد پیدا کیے۔ مثلاً قاضی عبدالسبحان کھلا بٹ مولانا عبدالحلیم

نزد وہی[1] مولانا کوکا صاحب صوابی (یعنی شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحب شاہمنصوری عرف مولانا کوکا صاحب ثانی ؒ) مولانا شریف اللہ سواتی مولانا عبدالحنان صاحب تاجک اور مولانا عبدالغفور وزیر آبادی وغیرہ۔"

آپ ۱۲۶۱ھ کو حضرت العلامہ مولانا شہاب الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ خاندانی لحاظ سے آپ کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلہ کاکڑ سے ہے مبادیات علوم سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث میں درس لیا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اور مولانا سیف الرحمان صاحب آپ کے ساتھ دورۂ حدیث میں ہم درس رہے۔ روحانی فیض آپ نے میاں شیر محمد صاحب شرقپوری سے حاصل کیا۔ بتاریخ ۶ رصفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ رنومبر ۱۹۵۱ء بعمر ایک سو دس سال آپ کا انتقال ہوا۔ اور آبائی گاؤں غورغشتی (اٹک) میں مدفون ہیں۔[2]

شیخ التفسیر مولانا حسین علی صاحبؒ

حضرت مولانا حسین علی صاحب ۱۲۸۳ھ کو واں بھچراں ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی صرف و نحو اور فارسی نظم کی کتابیں اپنے والد حافظ میاں محمد صاحب سے پڑھیں ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوکر حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ ۱۳۰۳ھ میں عارف ربانی مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر تفسیر پڑھی۔ ۱۳۰۴ھ میں

---

[1] راقم المعروف کے والد گرامی قدر مولانا عبدالحلیم قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

[2] تفصیلی حالات کے لیے راقم کا مضمون مولانا قطب الدین غورغشتوی ماہنامہ الحق بابت مئی ۱۹۸۰ء ملاحظہ فرمادیں۔

مولانا احمد حسن صاحب سے کانپور میں منطق و فلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور مراجعت فرماتے داخل ہوئے۔ وطن واپس آنے کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور تقریباً ساٹھ برس تک پاک و ہند کی سرزمین میں شمع ہدایت فروزاں کیے رہے۔ آخر چار دانگ عالم میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے اور علوم و معارف کا نور بکھیرنے کے بعد اپنے وقت کا وہ بہت بڑا محدث اور عظیم معلم رجب ۱۳۶۳ھ میں اپنے رب رحیم اور مولائے رؤوف سے جا ملا۔

آپ کو خداوند تعالیٰ نے بڑا وسیع علم عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً علم تفسیر و حدیث فقہ و کلام اور تصوف میں بڑی وسیع دستگاہ رکھتے تھے۔ علم اسماء الرجال میں آپ کی نظر بہت عمیق تھی۔ احادیث کی نقد و جرح میں کامل تھے۔ اور مختلف احادیث کی تطبیق میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے ترجمہ اور مطالب کے بیان کرنے میں اور مضامین کے استحضار اور آیات و سورتوں کا ربط بیان کرنے میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔ مثنوی مولانا روم اور رضی شرح کافیہ پر بڑا عبور تھا۔ لغوی تحقیقات حسب موقعہ رضی سے کرتے تھے۔ اور کئی مسائل میں رضی کی عبارتیں زبانی پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ اسی طرح مثنوی کے اشعار بھی بکثرت زبانی پڑھ کر بے شمار مسائل بالخصوص علم کلام اور تصوف و سلوک اور حقائق و معارف کے بیان میں سنا دیتے تھے۔ آپ کو علم و عمل دونوں میں اللہ تعالیٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا علاوہ ازیں بہت ذاکر شاغل اور فنافی التوحید تھے۔

آپ کا قرآن سنانے اور توحید بیان کرنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا کوئی شخص اگر ذاتی کام کے لیے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو اس کو ضرور توحید کی دعوت دیتے۔ اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر اس کا تشریح کرنا اپنا فرض منصبی خیال کرتے۔ فرمایا کرتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام

سے جب دو قیدیوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی تھی۔ تو انہوں نے تعبیر خواب بتانے سے پہلے انہیں خدا کی وحدانیت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا

آپ خواجہ محمد عثمان صاحب کے اجل خلفاء میں سے تھے اور اپنی سند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کی تفسیر پہلے مولانا محمد مظہر نانوتوی سے پڑھی۔ جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے شاگرد تھے اور وہ شاہ عبدالعزیز کے اور وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے۔ پھر میں نے دوبارہ قرآن کریم کی تفسیر اپنے شیخ فی الحدیث مولانا گنگوہی سے پڑھی۔ جو شاہ عبدالغنی کے تلمیذ تھے۔ اور وہ شاہ محمد اسحاق کے۔ اس طرح مجھے قرآن کریم کی اجازت اپنے مرشد حضرت خواجہ محمد عثمان سے بھی حاصل ہے اس کو اپنے مرشد حضرت حاجی دوست محمد قندھاری سے ان کو شاہ احمد سعید اور ان کو شاہ عبدالعزیز سے۔

آپ کے اجل خلفاء و تلامذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتی مولانا غلام رسول انہی والا، مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ، مولانا ولی اللہ انہی والا، قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا احمد رضا بجنوری، مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مولانا عبدالهادی صاحب شاہ منصوری قاضی شمس الدین گوجرانوالہ مولانا محمد طاہر پنج پیر برادر مولانا عنایت اللہ صاحب گجرات شامل ہیں۔

مشہور تصانیف آپ کی بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن تبیان فی تفسیر القرآن یعنی تفسیر بے نظیر تلخیص الطحاوی تحریرات حدیث۔ تقریر الجنجوہی علی صحیح البخاری تقریر الجنجوہی علی صحیح المسلم، تحفہ ابراہیمیہ، عون المعبود علی سنن ابی داؤد اس کے علاوہ اور بھی کچھ رسائل ہیں۔[1]

---

[1] ملخصاً از مقدمہ فیوضات حسینی المعروف بہ تحفہ ابراہیمیہ

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتی

آپ کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلہ کاکڑ سے ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مولانا بہاء الدین بن مولانا سعد الدین کے گھر غور غشتی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا شہاب الدین کے ہاں حاصل کی۔ اس کے بعد صرف ونحو کی کتابوں کا آغاز سرد بہ فتح جنگ سے کیا اور ملتان کے نواحی گاؤں لمے میں تکمیل کی۔ بعدازاں نوتھ میں مولانا غلام رسول عرف انی بابا سے منطق و معانی میں درس لیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے چکڑالہ ضلع میانوالی تشریف لے گئے وہاں علامہ قاضی قمر الدین صاحب سے دورۂ حدیث پڑھکر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد رنگون سے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ اور اسی دوران حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ رنگون سے واپسی پر دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند سے ترمذی شریف اور چند دیگر کتب میں استفادہ کیا۔ دیوبند کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے واپس غور غشتی آئے اور تادم واپسین مختلف علوم وفنون اور حدیث کی تدریس کرتے رہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کا تعلق آپ کا حضرت مولانا حسین علی صاحب سے تھا اور انہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور لاہور اور ساہیوال کی جیلوں میں قید کاٹی۔ مورخہ ۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ماہنامہ الحق میں مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے آپ کے سانحہ ارتحال پر جو جاندار تعزیتی ادارہ بعنوان صوبہ سرحد کا شاہ ولی اللہ لکھا تھا۔ اس کا ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"رونق آرائے مسند درسِ حدیث سرخیل علماء حق پیکر سنت ترجمانِ حدیث شیخ الحدیث بقیۃ السلف مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی قدس سرہٗ تقریباً"

۹۲ برس کی عمر میں ملت مسلمہ کو داغِ جدائی دے گئے۔ ۴/ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۶۹ء کی صبح پونے سات بجے جبکہ آفتاب عالمتاب طلوع ہو رہا تھا واہ کینٹ کے فوجی ہسپتال میں علمی اور معنوی دن کا یہ روشن آفتاب غروب ہو گیا دوسرے دن جمعہ کو جبکہ عالم رنگ وبو کا آفتاب مغربی افق پر ڈھلنے والا تھا کہ ملک کے طول وعرض سے پروانہ وار جمع ہونے والے حضرت کے لاتعداد معتقدین اور تلامذہ سے علم وعمل زہد واخلاص فقر وقناعت اور تقویٰ وللہیت کا یہ معنوی آفتاب آغوش کے سپرد کیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ حضرت کے بڑے صاحبزادے نے پڑھائی۔ اور اندازہ لگانے والوں کے خیال میں جنازہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔ جس نے العزۃ للّٰہ ولرسولہ وللمؤمنین کا سماں باندھ دیا۔ روح مبارک شوقِ دیدار میں عرصہ سے مضطرب تھی اور بے قرار تھی۔ اگر کسی نے درازیٔ عمر کی دعا کی۔ تو فرمایا کہ اب تو عافیت اور سلامتی ایمان کی دعا چاہیئے۔ پچھلے دو چار سالوں سے حج وزیارت کے پردۂ مجاز میں تسکین ڈھونڈھ رہے تھے۔ اس سال قرعۂ فال سب سے پہلے اسی دیوانہ عشق حقیقی کے نام نکلا۔ رجب سفر باندھنے کی تیاری ہونے لگی۔ جس ذات قدس صفات علیہ السلام کے اقوال و فرمودات کی اشاعت میں عمر بھر مصروف رہے سا اب جب اس کی چوکھٹ کی جبہ سائی کا مژدہ آپہنچا تو فرحت واشتیاق کا کیا عالم رہا ہوگا۔ ملنے والے دعا لینے اور الوداع کہنے حاضر ہونے لگے۔ ادھر سمیع وبصیر محبوب حقیقی رب کریم اپنے دایک عاشق زار بندہ کے سوز وجذب اور شوق وولولہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ اپنے بندہ کی ناتوانی اور جسمانی ضعف وکمزوری اس کی نگاہ میں تھی اس کے علم میں تھا کہ پیمانہ شوق اب لبریز ہو چکا ہے۔ اور خاکی قالب کو لافانی احساسات اور ولولوں کا مزید تحمل نہیں۔ کہ یکایک آغوشِ رحمت وا ہوئی اور حج وزیارت میں مستور مجازی و

حال کی نعمت ابدی اور حقیقی وحال کی دولت سے بدل گئی۔ اور بیت اللہ سے پہلے رب البیت تک پہنچ گئے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ۔" سلہ۔

مولانا محمد زمان شاہ صاحب عرف ابا صاحب

آپ موضع لاہور تحصیل صوابی میں پیدا ہوئے

ابتدائی کتابیں اپنے گھر میں پڑھنے کے بعد اصول کی کتابیں موضع میاں ڈھیری (صوابی) کے میاں سید حسین شاہ صاحب سے پڑھیں۔ منطق وحکمت میں انتہائی مہارت کے حامل تھے۔ فنِ حکمت کی مشہور کتاب صدرا پر آپ کا ایک غیر مطبوعہ حاشیہ موجود ہے۔ جو کہ قاضی گل محمد صاحب آپ سے لے گیا تھا۔ تحریکِ خلافت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں پشاور میں جو جلسہ ہوا تھا جس میں ہندوستان کے چوٹی کے زعماء شریک ہوئے تھے۔ مثلاً مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری مولانا مفتی کفایت اللہ مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا محمد علی جوہر تشریف لائے تھے۔ اس جلسہ کے اکابرین میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ اور آپ نے اس میں شرکت بھی کی تھی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ وعظ وتبلیغ اور اصلاح وارشاد میں بھی مشغول رہتے۔ ایک بہترین مقرر ہونے کے علاوہ عوام کے نفسیات سے آگاہ اور مزاج شناس بھی تھے۔ رقن آپ نے ایک غیر مسلم ساحر سے سیکھا تھا۔ ۱۹۳۰ء کو آپ کا لاہور میں انتقال ہوا۔ آپ کے اجل تلامذہ میں حضرت شیخ القرآن کے علاوہ مولانا عبدالحکیم صاحب حیدر (چھچھ) میاں غلام حیدر باچا مولانا علی حیدر باچا، مولانا

سلہ ملخصاً از مشاہیر علماء دیوبند و ماہنامہ الحق۔

عبدالوارث باچا مولانا عبدالرؤف کڈی (صوابی) اور مولانا عبدالجبار صاحب کو ٹھہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا حبیب اللہ عرف صاحبحق صاحب زروبی

آپ ۱۳۰۵ھ کو موضع زروبی تحصیل صوابی میں مولانا امان اللہ بن مولانا ملامیر کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر ڈاگئی کے مولانا محمد صدیق اور مولانا عبدالحکیم صاحبان کی خدمت میں رہ کر تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ واپس اپنے گاؤں زروبی آکر سات سال تک تدریس کرنے کے بعد دوبارہ ڈاگئی (تحصیل صوابی) جاکر دوسال کے عرصۂ قیام میں صحاح ستہ کی تکمیل کرکے مولانا عبدالحلیم صاحب سے ۱۳۲۱ھ میں سند حاصل کی۔ ۲۲ سال تک آپ نے اپنے گاؤں میں تدریس کی۔ اس کے بعد آپ نے ۱۴ سال تک مکھڈ اور مردان کے دارالعلوم مطلع العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۳ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۳/جون ۱۹۴۹ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اپنے گاؤں کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد زاہد صاحب مرحوم نے اغفرلوبی بحبیبک کے دعائیہ کلمات سے سن وفات کا استخراج کیا ہے آپ کے ممتاز تلامذہ کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ [1]

مولانا عبدالقہار صاحب عرف مردت مولوی صاحب

آپ کا اصل وطن تحصیل

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا مفتی محمد مزید صاحب مدظلہ کا مضمون در علامہ صاحبحق صاحب زروبی" الحق شمارہ ۱۰ جلد ۲ اور مشاہیر علماء دیوبند۔

صوابی ضلع مردان تھا۔ آبا و اجداد عالم دین ہونے کے علاوہ ہمیشہ جہاد میں حصہ لیتے رہے۔ آپ کے دادا نے سیّد احمد شہید بریلوی رح کے ہمراہ سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔ آپ کے والد حضرت سیّد امیر صاحب عرف کوٹہ ملا صاحب کے دستِ راست تھے۔ جنہوں نے مولانا نجم الدین صاحب ہڈہ ملا کے ہمراہ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف فتوے دیئے بعد میں جب انگریزوں کی حکومت مضبوط ہوئی۔ تو انگریزوں کے حامی بعض پیشواؤں نے ان کے خلاف شورش پھیلائی۔ ان کو ہڈے وال وغیرہ ناموں سے مشہور کر کے طرح طرح سے بدنام کرنا چاہا اس وجہ سے آپ کے والد مولانا حباب شاہ صاحب لنڈیواہ علاقہ مروت کی طرف ہجرت کرنی پڑی (تذکرہ علماء و مشائخ سرحد)

آپ موضع لنڈیواہ تحصیل لکی مروت میں مولانا حباب شاہ کے گھر ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور والدہ سے حاصل کی۔ کوہاٹ کے ایک ماہر خوشنویس سے فن کتابت میں کمال حاصل کیا۔ طالب علمی کا زیادہ تر زمانہ ضلع مردان اور غور غشتی میں گزارا۔ منطق و معانی کی کتابیں گڑھی کپورہ کے الیوزو ملا صاحب سے پڑھیں۔ موضع یعقوبی (تحصیل صوابی) کے صاحبحق صاحب مولانا عبدالعلی اور غور غشتی کے مولانا نصیر الدین صاحب کے برادر بزرگ مولانا گل کاکا سے منطق کی آخری کتابوں کی تکمیل کی۔ گڑھی دولت زئی ضلع مردان کے مولانا غازی الدین کاکا عرف اصولی ملا صاحب سے اصول تفسیر اصول حدیث اور اصول فقہ میں استفادہ کیا۔ میاں ڈھیری (تحصیل صوابی) کے مولانا سیّد حسین شاہ صاحب سے معانی کی کتابیں پڑھیں۔

آپ کی دستار بندی ۲۴ برس کی عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ مسجد بازار نوشہرہ کلاں کے امام و خطیب مقرر ہوئے۔ جہاں آپ نے درس و تدریس

کا آغاز کیا۔ علوم عقلی اور نقلی میں آپ کو مکمل مہارت حاصل تھی۔ آپ کے درس میں سوات باجوڑ کوہستان بنوں وزیرستان کابل وقندھار اور تاشقند و سمرقند کے طلبا شریک ہوئے۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد کے مطابق آپ شرعی مقدمات کے فیصلے کرنے کے لیے تحصیل نوشہرہ کے قاضی مقرر کیے گئے اور جمیعۃ العلماء کے صدر منتخب ہوئے۔ علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب بیشتر فقہی مسائل میں آپ سے مشورے حاصل کرتے تھے۔ آپ کئی سال تک جمیعۃ العلماء ہند کے مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ جب پشاور تشریف لائے اور نمکمنڈی میں ایک عظیم الشان اجلاس کا انتظام ہوا۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے اردو میں اور علامہ عبدالقہار مروت مولوی صاحب نے پشتو میں تقریریں کیں۔

بعد میں آپ نے خاکسار تحریک کی حمایت شروع کی۔ اور جب خاکسار کھلم کھلا علماء حق کی مخالفت پر اتر آئے۔ مولوی کا غلط مذہب نامی کتابچہ دھڑا دھڑ تقسیم ہونے لگا۔ عوام میں اس فتنہ کی جڑیں مضبوط نہ ہوتی گئی۔ تو اکوڑہ خٹک میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور خاکساروں کے درمیان مناظرہ طے پایا۔ خاکساروں کی طرف سے مولانا عبدالقہار صاحب مناظرہ کے لیے نامزد کیے گئے۔ چنانچہ آپ اور مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ کے درمیان ایک دلچسپ مناظرہ ہوا۔ جس میں حکم کے فرائض شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے انجام دیئے۔

قادیانیت کے خلاف آپ نے خوب کام کیا اور افغانستان میں امان اللہ خان والی کابل کے خلاف جب شورش پھیل گئی تو شاہ امان اللہ کی حمایت کیلئے ۲۲ نامور علماء اور رہنماؤں کا وفد افغانستان جانے کے لیے تیار ہوا۔ مولانا مروت کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر مرحوم بھی اس میں شامل تھے۔ آپ کئی سال تک مدرسہ اسلامیہ طورقل بائے پشاور شہر اور مدرسہ انجمن تعلیم القرآن نوشہرہ کلاں

میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں آپ کی صحت خراب ہو گئی۔ اور ۱۲ر شعبان ۱۳۵۹ھ بروز جمعہ مطابق ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۰ء آپ کا انتقال ہوا۔ اور سید مہربان علی شاہ صاحب بخاری نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ کے جلیل القدر تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب بھی شامل ہیں [۱]

مولانا محمد صدیق صاحب ڈاگئی (تحصیل صوابی)

آپ ۱۲۵۲ھ میں جناب مولانا رحمت اللہ صاحب کے گھر موضع ڈاگئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر عازم ہندوستان ہوئے۔ وہاں پر مدرسہ عالیہ رامپور میں کچھ کتابیں پڑھیں۔ دورہ حدیث وسند فراغ کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہاں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ فراغت کے بعد وطن واپس آ کر تدریس کا آغاز کیا۔ تمام علوم وفنون کی کتب کے علاوہ کتب صحاح بھی پڑھاتے۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ میبذی پر حاشیہ بنام صدیقیہ بھی آپ کی تصنیف ہے۔ جو کہ مطبوعہ ہے۔ چالیس سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۳۷ھ کو انتقال فرمایا۔

مولانا عبدالرؤف عرف کڈی مولوی صاحبؒ

مولانا عبدالرؤف صاحب موضع کڈی تحصیل صوابی میں مولانا محمد شریف کے ہاں ۱۴ر اگست ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوتے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بچا مولوی احمد شاہ سے حاصل کی۔ ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لیے دامان علاقہ چھچھ گئے اور وہاں پر صرف نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد بنجتار

---

[۱] آپ کے حالات تذکرہ علماء و مشائخ سرحد میں تفصیل سے ذکر ہیں۔

علاقہ بونیر تشریف لے گئے اور وہاں پر قاضی صاحب سے فقہ کی کتابوں میں درس لیا بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے عازمِ ہند ہوتے اور ریاست ٹونک کے مدرسہ ناصریہ میں علم تفسیر وحدیث کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مہاجر کابل مولانا سیف الرحمٰن صاحب اور مولانا شیخ الحدیث حیدر حسن خان صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ دورۂ حدیث میں امتیازی سند حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لائے اور اپنے گاؤں کی مسجد ذکریا خیل میں درس کا آغاز کیا اور انتہائی قلیل عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہوا۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم صاحبؒ، حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا شفیع اللہ صاحبؒ سابق استاذ دارالعلوم حقانیہ، مولانا عبدالحکیم صاحب حیدر (چھچھ) شیخ الحدیث مولانا گلستان صاحب۔ مولانا فضل حسین صاحب مانیری۔ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر اور مولانا عبدالوحید قاسمی زروبوی قابل ذکر ہیں۔

یوں تو آپ جامع العلوم فاضل تھے۔ لیکن نحو اور منطق میں آپ اجتہادی فکر ونظر کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے علامہ مارتونگ مولانا خان بہادر صاحب آپ کے لیے ابن حاجب کا لقب استعمال کرتے۔ اور فرماتے کہ میدانی علاقہ میں مولانا عبدالرؤف صاحب مشہور عالم ہیں۔

آپ اپنے علاقے کے مشہور قاضی تھے اور شریعت کے مطابق فیصلے آپ فرماتے۔ ایسے مقدمات جو سالہا سال میں حل نہیں ہوئے آپ نے ان کا فیصلہ چند گھنٹوں میں فرمایا۔ والیٔ سوات جناب میانگل اورنگ زیب نے جب اپنی ریاست میں افتاء اور قضا کے لیے کمیٹی تشکیل دی تو آپ اسکے رکنِ رکین اور امتیازی ممبر تھے اور سال میں دو تین بار آپ وہاں تشریف لے جاتے۔

آپ نے تقریباً پچپن سال حسبۃً للہ درس دیا اور اس کے علاوہ عوام

کے لیے بعد از نماز عشاء ترجمہ و تفسیر قرآن کا بھی آغاز کیا جس سے علاقہ کے عوام کو از حد فائدہ پہنچا۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ مروجہ رسومات اور خلاف شریعت امور کی طرف بھی خصوصی طور سے توجہ فرماتے۔ چنانچہ بہت سے ایسے امور جو شریعت کے ساتھ متصادم تھے کا خاتمہ آپ ہی نے کیا۔ زندگی میں دو دفعہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوتے۔

۱۶ر اپریل ۱۹۶۰ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا[1] رحمہ اللہ۔

مولانا قاضی گل محمدؒ مرحوم

مولانا قاضی گل محمد مرحوم قاضی خانم اللہ کے گھر گاؤں نبی ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۷ء میں بعمر چھیالیس ۴۶ سال فوت ہو گئے ہیں۔ آپ کے والد اپنے وقت کے مشہور عالم تھے۔ آپ کے سسر حضرت مولانا محمد زمان شاہ صاحب مرحوم جو کہ اپنے عصر کے بہت بڑے متبحر عالم اور فاضل تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنے گاؤں چھوٹے لاہور میں ایک مجمع میں تشریف فرما تھے۔ جس میں قاضی صاحب مرحوم نے تقریر کی۔ علامہ موصوف (مولانا زمان شاہ) کو قاضی صاحب مرحوم کا بیان بہت پسند آیا۔ اور اپنی صاحبزادی کا ان کے ساتھ نکاح کا عندیہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ علامہ موصوف کی صاحبزادی کی شادی آپ کے ساتھ طے پائی۔ اس کے بعد آپ نے کافی کتابیں علامہ موصوف سے پڑھیں، ان کے علاوہ موضع مانکی کے مولانا نعمت اللہ صاحب کے سامنے بھی آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ وہ بھی اپنے علاقے کے بڑے اور ماہر علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ طبیعت کے اعتبار سے آپ پر جلال کا غلبہ تھا۔ اور اکثر بڑے مناظروں میں شامل ہوتے۔ ایک بڑی چھوٹی اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بحث و مباحثہ شروع ہونے سے پہلے دھمکی دینے، کہ

---

[1] حیات صدر المدرسین ص ۔۔۔ مؤلف مولانا محمد ابراہیم فانیؔ۔

اگر غلط بیانی سے کام لیا۔ تو یہ چھڑی ساتھ پڑی ہے اس سے مرمت کروں گا۔ علماءِ کرام سے سنا ہے کہ ایک کسی مناظرے میں مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم تقریر کر رہے تھے آپ نے ان کو کہا۔ کہ اِدھر اُدھر نہ جانا بلکہ اپنے موضوع پر بات کرنا۔ بہر حال مولانا نعمت اللہ صاحب اکثر فیصلوں میں قاضی گل محمد کو آگے کرتے تھے۔

قاضی صاحب مرحوم کے چار بیٹے ہیں۔ سب سے بڑا قاضی فقیر محمد جو کہ آج کل ایبٹ آباد میں سی۔ او (چیف آفیسر) کے پوسٹ پر ہے۔ دوسرا لڑکا قاضی حسین احمد ہے اس نے بھی کافی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور بوقتِ ضرورت گاؤں میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ لیکن عام طور پر زمینداری اور دوکانداری ان کا مشغلہ ہے۔ تیسرے صاحبزادے کا نام مولانا قاضی عبد الصمد ہے جو کہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور وفاق المدارس العربیہ کے سند یافتہ ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے پشاور یونیورسٹی سے ایم۔ اے اسلامیات اور ایم۔ اے عربی بھی پاس کیا ہے اور آج کل پاکستان آرمی میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ چوتھے صاحبزادے جناب بشیر احمد عثمانی یونین کونسل میں سیکرٹری ہیں

قاضی گل محمد صاحب مرحوم علم میراث اور علم فقہ میں ماہر تھے۔ موضع نبی کے جناب سکندر خان کہتے ہیں کہ میں نے اور میرے دوسرے بھائی محمد افسر خان مرحوم نے ہدایہ (فقہ حنفی کی کتاب) قاضی صاحب سے پڑھا ہے۔ ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ہدایہ جیسی فقہ کی معتبر کتاب کو بغیر مطالعہ کے پڑھاتے۔ اور کبھی کبھی بطور تحدیث بالنعمہ فرماتے کہ ہدایہ کے مصنف سے مجھے زیادہ معلوم ہیں۔ آپ کی قابلیت کے بارے میں مولانا جمال الدین صاحب عرف مولانا گلستان صاحب مرحوم جو کہ دیوبند کے فاضل تھے اور پنجاب کے مدارس کے علاوہ مفتی زین العابدین کے مدرسہ میں شیخ الحدیث رہ چکے تھے۔ فرماتے تھے کہ کاش قاضی گل محمد صاحب دیوبند میں دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر کے لیے آتے۔ تو اس علاقے میں آپ کے پائے کا عالم ہونا مشکل ہے مولانا حضرت مولانا عبد الحنان صاحب جہانگیروی جو کہ دار العلوم

دیوبند کے فاضل اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ماموں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قاضی صاحب انتہائی ذہین اور فطین آدمی تھے۔ اور علمی و سیاسی دونوں میدانوں میں اللہ تعالیٰ آپ کو خداداد قابلیت دی تھی۔ مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ کے قاضی صاحب کے گہرے مراسم تھے اور قاضی صاحب کے برخوردار جناب قاضی عبدالصمد کو آپ ہی دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ دلوایا تھا

آپ مطالعہ اور کتب بینی کے انتہائی شوقین تھے اور لالٹین اور چراغ کی مدہم روشنی میں بھی دیر تک کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ آپ نے کسی کتاب کے حاشیہ پر عربی میں لکھا تھا۔ کہ مجھے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی اور مجھے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ میں نے کچھ پیا اور کچھ چھوڑ دیا۔ اس میں دو اشارے ملتے ہیں ایک علم وہبی کا اور دوسرا یہ کہ آپ کے خاندان میں علم کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ اسی طرح آپ فرمایا کرتے کہ مجھے سوات بابا جی نے یہ دعا کی ہے کہ تمہارے خاندان میں علم کا سلسلہ جاری رہیگا

قاضی صاحب کی سیاسی زندگی بھی عجیب تھی تحریک پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ریفرنڈم میں بھی آپ نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ صوبہ سرحد میں خان قیوم خان کے خلاف آپ نے ایک بڑا اور موثر گروپ تشکیل دیا تھا اس گروپ میں آپ کے دست راست جناب عبدالرزاق خان آف تورڈھیر تھے (سابق صوبائی وزیر جو کہ آج کل پاکستان پیپلز پارٹی میں ہے) آپ قاضی صاحب مرحوم کے وفادار ساتھیوں میں سے تھا اور آج تک قاضی صاحب کے خاندان کے ساتھ ان کے مراسم ہیں۔ اس گروپ میں ان کے علاوہ حکمت خان صاحب چھوٹے لاہور موضع سلیمہ خان کے اورنگ زیب خان جن کے نام سے اب اورنگ آباد جگہ مشہور ہے آپ بڑے دیر باکردار اور نیک سیرت انسان تھے۔ اسی طرح اس گروپ میں بارحین   کے حاجی رحمت خان اور حاجی احسان اللہ خان پشاور کے قریب جھگڑا نامی گاؤں کے محمد ابراہیم خان (آپ کے ایک فرزند جناب

افتخار خان جھگڑا صوبائی وزیر ہیں) شامل تھے بہر حال یہ ایک اہم مضبوط سیاسی گروپ تھا جو کہ صوبہ سرحد کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتا تھا کچھ عرصہ کے لیے قاضی صاحب مرحوم مسلم لیگ صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری بھی رہے ہیں۔

انہی دنوں علماء کی جماعت اس علاقے میں اتنی فعال نہ تھی۔ ورنہ آپ ان کے لیے کام کرتے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اکابرین دیوبند کے ساتھ آپ کی محبت تھی یہی وجہ ہے کہ اپنے دو صاحبزادوں کے نام آپ نے حسین احمد اور شبیر احمد عثمانی رکھے ہیں لـه

لـه اس سوانحی خاکہ کی تیاری میں قاضی صاحب مرحوم کے فرزند اور میرے انتہائی مخلص دوست مولانا قاضی عبدالصمد صاحب فاضل دارالعلوم حقانیہ نے بندہ کیساتھ کافی تعاون کیا ہے۔ بندہ نے سنا تھا کہ جناب قاضی صاحب مرحوم حضرت الشیخؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ لیکن یہ بندہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ صرف روایت ہے چنانچہ بندہ نے آپ کے فرزند قاضی عبدالصمد صاحب سے اپنے والد مرحوم کے سوانحی حالات فراہم کرنے کی استدعا کی۔ تو آپ نے انتہائی عجلت میں بہت ہی مفید اور کارآمد معلومات فراہم کیں۔ اور پھر اس سوانحی خاکے کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا۔

تحریر کا باعث بننا:۔ میری اس تحریر کا باعث یہ بنا۔ کہ میرے نوجوان عالم فاضل ادیب شاعر اور مؤرخ دوست مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی زید مجدہٗ نے مجھے کہا۔ کہ آپ اپنے والد صاحب مرحوم کے بارے میں کچھ لکھیں کیونکہ آپ کے والد جناب قاضی گل محمد صاحب مرحوم شیخ القرآن علامہ عبدالہادی صاحب شاہ منصوریؒ کے اساتذہ میں آتے ہیں۔ تو مجھے کچھ تعجب ہوا۔ بعد میں یاد آیا۔ کہ حضرت الشیخؒ بعض فیصلوں کے متعلق والد صاحب مرحوم کے پاس آیا کرتے تھے اس لیے کہ میرے والد صاحب قاضی تھے اور مختلف تنازعات کے متعلق آپ فیصلے دیا کرتے تھے

باب چہارم

سیرت وکردار

آپ کو اللہ تعالےٰ نے جن اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا اس کا احاطہ تو مشکل ہے کیونکہ آپ کی قد آور شخصیت ہر لحاظ سے ہمہ جہت تھی۔ صرف چند خصوصیات کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے

عشق رسولؐ

حدیث شریف میں ارشاد نبویؐ ہے۔ کہ۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہ والناس اوکما قال۔

یعنی جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا محبت حضرت سید المرسلین کے ساتھ تمام کائنات سے زیادہ ہو۔

ہمارے حضرت الشیخ قدس سرہ اس معاملے میں بالکل اسی حدیث پر عمل پیرا رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی والہانہ محبت اور ذات قدسی کے ساتھ آپ کا عاشقانہ تعلق رہا۔ فرماتے کہ۔

جس سال ہم حج بیت اللہ شریف کے لیے گئے تھے تو جب ہم زیارت روضہ اطہر کے لیے جاتے۔ وہاں پر علماء نجد ہمیں زیارت سے روکتے اور کہتے کہ آپ لوگ حج کے لیے آئے ہیں۔ زیارت کے لیے نہ جائیں۔ ہم ان کی باتوں کو ان سنی کر دیتے

فرماتے کہ۔ ؎

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اور ؎

کے بود یا رب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جا کنم

فرماتے ہیں کہ مسئلہ زیارت النبیؐ کے لیے سفر میں جمہور اہلسنت اور امام ابن تیمیہ و شیخ ابو محمد الجوینی کے درمیان اختلاف ہے ان کے نزدیک زیارت النبیؐ کیلئے سفر کرنا حرام ہے اور لاتشد الرحال الحدیث اپنے لیے بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔ جب کہ جمہور اہل سنت کی طرف سے علامہ سبکی قاضی شوکانی۔ قاضی عیاض اور محدث کشمیری نے ان کے مستدل سے جواب دیا ہے فرمایا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ سے رخصت ہو رہے تھے تو مواجہ شریف میں جاکر عرض کرتے ع

بسفر می روم چہ فرمائی

روضۂ اقدس سے جواب ملتا۔ بسلامت۔ روی وباز آئی۔

کئی بار آپ نے اس طرح کیا۔ آخری بار جب آپ نے عرض کیا تو روضۂ اقدس سے جواب نہیں ملا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے بعد مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہوگی۔

فرماتے ہم تو عاشق ہیں۔ ہمارا ان سوالات وجوابات سے کیا کام۔ سلف صالحین اور خلف ماہرین فی الدین سے متواتر سفر برائے زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے۔ پھر پر جوش والہانہ انداز میں فرماتے ع

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار

شغف بالقرآن

جس شخص نے زندگی کے پورے اکسٹھ سال قرآن اور تفسیر قرآن میں گذارے ہوں۔ اس سے زیادہ انہماک فی القرآن

اور شغف بالقرآن اور کیا ہو سکتا ہے۔ دورۂ تفسیر کے اختتام پر طلبہ کو منجملہ اور نصائح
کے یہ بھی فرماتے کہ طالب علمو! جاؤ اور اپنے اپنے مواضعات اور شہروں کی غیر آباد
مساجد کو قرآن اور ترجمہ و تفسیر قرآن سے آباد کرو۔ تاکہ ان غیر آباد مساجد سے توحید کے
عطر بیز زمزمے اور قال اللہ اور قال الرسول کے دل آویز نغمے گونج اٹھے آپ رزق
کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ خود لیا ہے۔ ارشاد ربانی
ہے۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ خداوند قدوس جب کافر و ملحد
زندیق اور دہریوں کو رزق دیتا ہے تو وہ شخص جو اس کی کتاب کی خدمت کرے اسے
لوگوں تک پہنچائے اس کی غیرت یہ کس طرح برداشت کر سکتی ہے کہ وہ تلاش معاش
میں سرگرداں و پریشان رہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

پھر فرمایا کہ قرآن کریم کی اس آیت کا ورد بلا ناغہ کریں۔ ویرزقہ من حیث
لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ
لکل شیء قدرا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رزق و آسائش کے دروازے اور آرام و راحت
کے تمام خزانے کھول دے گا۔ اور اس چیز کا مشاہدہ بچشم خود ہم نے حضرت الشیخ
کے ہاں کیا۔ کہ بظاہر کسی قسم کے اسباب مہیا نہیں۔ لیکن آپ بالکل فارغ البال ہیں۔ اسی
شغف بالقرآن کو دیکھ کر حضرت الشیخ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ آپ فنا فی
القرآن تھے تو بے جا نہ ہو گا۔ تصوف میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی جو اصطلاحات
رائج ہیں۔ اگر شیخ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اس میں فنا فی القرآن کا اضافہ ناگزیر ہے
اور اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں اس بات میں حق بجانب ہوں کہ آپ اپنے
نامۂ اعمال کے بجائے قرآن پیش کریں گے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ نے جب اپنی تفسیر مکمل کی تو ایک شاعر کے شعر میں ترمیم کرتے ہوئے فرمایا کہ ؎

روز محشر ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآں در بغل [1]

جیسا کہ پہلے تمہید میں عرض کر چکا ہوں کہ اس سال جس سال بندہ خود دورۂ تفسیر میں شریک تھا۔ آپ ختم دورۂ تفسیر سے دو دن قبل سخت بیمار ہوئے۔ لیکن پھر اختتامی تقریب میں انتہائی ضعف اور کمزوری کے عالم میں شرکت فرمائی اور ساتھ ساتھ آخری تین سورتوں کی تفسیر بھی خود بیان کی۔ گزشتہ رمضان المبارک سے قبل پھر آپ پر بیماری کا شدید حملہ ہوا تھا۔ اور قرین قیاس یہ بات تھی کہ اب رمضان شریف آنے والا ہے اور آپ کی صحت انتہائی مندوش ہے۔ شاید اس سال آپ دورۂ تفسیر نہیں پڑھا ئیں گے لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب پندرہ شعبان کو آپ نے حسب معمول دورۂ تفسیر کا آغاز کیا اور ۲ رمضان المبارک کو بخیر و خوبی اس کی اختتامی تقریب ہوئی۔ یہ حضرت الشیخ کا آخری اور الوداعی دورۂ تفسیر تھا۔ اور اس کے تقریباً تین مہینے بعد آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا ؎

اے کہ دل از فکر آں می سوختیم ہم ہجر بود
آخر از بے مہری گردوں باں ہم ساختیم

فرماتے کہ ہماری دنیا اور اس کے بکھیڑوں سے کیا تعلق۔ اہل دنیا جانے اور

---

[1] یہ شعر حاجی محمد جان قدسی المتوفی ۱۰۵۰ھ کا ہے اصل شعر یوں ہے ؎

روز محشر ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

قدسی ندانم چوں شود سودائے بازار جزا
او نقد آمرزش بکف من جنس عصیاں در بغل

ان کا کام آپ دیکھتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی ہر شخص اپنے کام میں مصروفِ عمل ہو جاتا ہے جو زراعت پیشہ ہے۔ وہ کھیت کی طرف جو ملازم ہے وہ دفتر کی طرف جو مزدور ہے وہ اپنی مزدوری کے لیے الغرض ہر شخص اپنے مقرر کردہ وظیفہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تگ و تاز کرتا ہے لیکن ہمارا وظیفہ تو یہی قرآن ہے۔ پس یہ شعر سنایا۔

علی الصباح چوں مردم بکار و بار روند
بلا کشانِ محبت بسوئے یار روند

ہم تو بلا کشانِ محبت ہیں۔ ہماری محبت قرآن کے ساتھ ہے اس کے ساتھ ہمارا جینا اور ہمارا مرنا ہے۔

جی میں آتا ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے اور ہم تمہارے سامنے

فقیری

آپ انتہائی فقیر منش اور درویش طبع انسان تھے۔ قرآن و ترجمہ قرآن اور حدیثِ یار کے ساتھ آپ کا شغل رہا۔ انتہائی پرکیف اور وجد آگیں انداز میں فرماتے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک پرکیف و پرلذت دنیا عالم قناعت کی عشرت طرازیوں سے لطف اندوز ہوتے فرماتے۔ کہ اگر ان دنیا داروں کو ہماری لذت اندوزیوں اور فقیری میں شہنشاہی کا علم ہو جائے تو یہ لوگ رشک و حسد کی آگ میں جل جائیں گے۔ اور ہم سے اس لذت کے چھیننے کی از بس کوشش کریں گے لیکن ہم انہیں یہ کہتے ہیں

شالِ زربفت تمہیں مبارک ہوائے دولتمندو
ہم کو کملی میں دو شالے کا مزا ملتا ہے

کبھی کبھی اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ مولانائے روم نے کیا خوب کہا ہے

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند
روز و شب در لق لق و در بق بق اند

دراصل حضرت الشیخ جیسی عظیم ہستیوں اور نابغۂ روزگار شخصیتوں کو ملک نیم شب کی لذت آشنائیوں نے دنیوی جاہ وجلال اور ظاہری حسن وجمال سے بیگانہ کر دیا تھا جیسا کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کو ملک سنجر کے بادشاہ نے صوبہ نیمروز کے حاصلات ان کے لنگر کے لیے وقف کرنے کی درخواست کی۔ تو آپ نے اس کی درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور درخواست کے دوسری طرف آپ نے یہ قطعہ لکھا ؂

چوں چتر سنجری رخِ بختم سیاہ باد
در دِل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

مہمان نوازی حضرت الشیخ قدس سرہ میں دیگر اوصافِ حمیدہ کے علاوہ یہ صفت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ عالمِ اسلام کے نامور مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ شیخ الاسلام حضرت سیدنا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"ضیافت مہمان نوازی اور اطعامِ طعام ان کی روحانی غذا اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ پھر مہمانوں کے ساتھ وہ جس تواضع اور انکساری اور جس اعزاز و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اس کو دیکھ کر قدیم عرب شاعر کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا تھا ؂

وانی لعبد الضیف ما دام نازلاً

وماشیمة لی غیرھا تشبہ العبدا

"میں مہمان کا غلام ہوں، جب تک وہ میرے گھر میں مہمان رہے اور زندگی کا یہی ایک موقعہ ہے جس میں مَیں غلام معلوم ہوتا ہوں۔"

ہمارے حضرت الشیخ ان الفاظ کے صحیح مصداق اور مظہر اتم تھے۔ بندہ نے بچشم خود حضرت الشیخ کے ہاں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ روزانہ اوسطاً بیس پچیس مہمان آتے ہیں اور حضرت بہ نفس نفیس ان کی خدمت اور تواضع میں مصروف ہیں پورے اکسٹھ برس تک دورۂ تفسیر کے دوران آپ کی مسجد میں جو طلباء رہائش پذیر ہوئے ان کی تعداد جتنی بھی ہوں خواہ ستر یا اسّی۔ آپ کے گھر سے ان کے لیے افطاری اور سحری کا انتظام ہوتا۔

ایک دفعہ راقم اپنے گھر زرد بی (جو کہ شاہ منصور سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر جانب شمال واقع ہے) میں دوپہر کے کھانے کے بعد اکوڑہ خٹک آرہا تھا۔ راستے میں خیال آیا کہ حضرت الشیخ کی زیارت اور ملاقات سے شرف یاب ہو جاؤں، چونکہ فاصلہ تھوڑا تھا، اس لیے راستے میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہوئی۔ اس وقت دوپہر کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے تھے میں نے حضرت الشیخ کے دروازے پر دستک دی۔ آپ کے دونوں صاحبزادگان مولانا نور الہادی اور برادرم فیض الباری صاحبان گھر میں موجود نہ تھے۔ گھر سے ایک لڑکا آیا۔ میں نے کہا کہ اگر حضرت الشیخ محو استراحت نہ ہوں تو بندہ ان کے ساتھ ملاقات کا خواہشمند ہے اور ساتھ ساتھ لڑکے کو اپنا نام بھی بتایا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خود تشریف لائے اور ہاتھ میں پانی کا لوٹا ہے مجھے بیٹھک میں بٹھایا اور گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضرت کے پاس مجمع (ٹرے) ہے اور اس چھوٹے لڑکے کے پاس روٹی کا خوان ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کھا تو ں

سے کھانا کھا کر آیا ہوں۔ لیکن حضرت کے اصرار کے سامنے مجال انکار نہ تھی۔ پھر آپ نے بندہ کے ساتھ اکٹھا کھانا تناول فرمایا۔ اپنے دل میں اس وقت آنے پر از حد شرمندہ ہوا۔

فیاضی فیاض ازل نے آپ کو جیسا قناعت پسند اور سیر چشم دل عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الید العلیا خیر من الید السفلیٰ کے مصداق تھے۔ اگر کوئی عالم یا طالب علم آپ کی ملاقات اور زیارت کے لیے جاتا۔ تو اس کو نقدی کی صورت میں ضرور کچھ نہ کچھ عطا فرماتے۔ جو کچھ آپ دیتے ہزار کوشش کے باوجود اس کو واپس لینے پر آمادہ نہ ہوتے۔ فرماتے! یہ آپ کا کرایہ ہے۔ آپ دور سے آئے ہیں۔ ابوالطیب متنبی اپنے ممدوح مغیث بن علی بن بشر عجلی کے بارے میں کہتا ہے۔

عمر العدو اذا ما لاقاہ فی رھج — اقل من عمر ما یحوی اذا وھبا

توقہ فاذا ماشئت تبلوہ — تکن معادیہ او کن لہ نشبا

وکلما لقی الدینار صاحبہ — فی ملکہ افترقا من قبل یصطحبا

مال' کان غروب البین یرقبہ — فکلما قیل ھذا مجتدٍ لعبا

ترجمہ: "دشمن کی عمر جب وہ غبار جنگ میں اس کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کے مال سے جب وہ بخشنے لگے کمتر ہوتی ہے۔ اے مخاطب تو اس کی دشمنی سے بچو اگر تو آزمانا چاہتا ہے اس کو تو یا اس کا دشمن بن جا یا مال۔ اور جب اس کی ملکیت میں ایک دینار دوسرے سے آملتا ہے۔ تو وہ قبل اس کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم صحبت ہوں۔ متفرق ہو جاتے ہیں اس کا مال ایسا ہے کہ گویا جدائی کا کوا اس کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ سو جب کہا جائے کہ یہ سائل ہے تو وہ کوا بول پڑتا ہے؟

درحقیقت ہمارے شیخ کا مال دنیا کے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا اور الحمد للہ آج

صاحبزادگان اپنے جلیل القدر والد صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور اپنے عظیم والد کی تابندہ روایات کو زندہ رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

توکل حضرت الشیخ کو اللہ نے جس وصف سے بدرجۂ اتم متصف فرمایا تھا وہ توکل تھا۔ اور ایسا توکل واستغنا جو کہ اصحاب عزیمت ہی کا خاصہ ہے چنانچہ اس بارے میں کسی دلیل وحجت کی ضرورت نہیں بلکہ جس شخص نے آپ کی درویشانہ زندگی کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس پر آپ کی یہ صفت نمایاں انداز میں آشکارا ہو گئی ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کے برادر محترم مولانا عبدالباقی مرحوم نے آپ کو زمین کے بارے میں کچھ کہا کہ اس کو اجارہ یا مزارعت پر دے دیں گے تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس زمین کو ختم کریں گے تاکہ ہمارا کوئی ظاہری سہارا نہ رہے۔

فرمایا کہ زمانہ طالب علمی ہمارے پاس کچھ رقم جمع ہو گئی تھی۔ والد صاحب کا سایہ تو سر سے اٹھ چکا تھا۔ ہاں بڑے بھائی حیات تھے اور وہ بھی طالب علم۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اس رقم سے آپ زمین رہن لے لیں کیونکہ آپ طالب علم ہیں کسب معاش کے لیے فارغ نہیں۔ اور اس زمین سے آپ کا کام چلے گا۔ رہن کا اس لیے کہتے کہ اس وقت ہمارے علاقے میں یہ دستور تھا کہ زمین بیع قطعی طور پر فروخت نہیں کی جاتی تھی۔ مگر ہم انتفاع بالمرہونہ کی حرمت کی وجہ سے یہ اقدام نہیں کر سکتے تھے مگر احباب کی بار بار ترغیب کی وجہ سے ہم نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ بڑے بھائی دیوبند چلے جائیں وہاں چونکہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری چاروں مذاہب کے ماہر ہیں اگر ان مذاہب میں سے کسی بھی مذہب میں انتفاع بالمرہونہ جائز ہو تو پھر احباب کی دلجوئی کی خاطر ہم یہ کام کریں گے۔

شاہ صاحب نے بھائی صاحب کو فتویٰ دیا کہ انتفاع بالمرہونہ بلا اجازت اور بلا اجازت دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ کبھی کبھی درس میں آپ اس واقعہ

کا ذکر فرماتے۔ سورہ بقرہ میں فرہانٌ مقبوضۃ میں رہن پر بحث کے دوران۔ اور اس موقعہ پر صاحب شرح وقایہ پر عجیب انداز میں رد فرمایا کرتے۔ فرماتے کہ وہ کہتے ہیں کہ با جازت مرتہن انتفاع بالمرہون جائز ہے۔ آپ کہتے کہ یہ غلط ہے کیونکہ آپ کا یہ قول کل قرض جر نفعا فہو ربا ؐ کے منافی ہے۔

آپ نے طویل تدریسی زندگی گزاری۔ اور اس دوران ہم نے بظاہر ایسا کوئی سبب معلوم نہیں کیا جو کہ آپ کے لیے ذریعہ آمدنی ہو۔ اور نہ کسی متمول ملک کے ساتھ آپ کے کسی قسم کے روابط تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا نورالہادی صاحب اپنے والد صاحب اور طلبہ کی خدمت میں کوشاں رہتے۔ اگر آپ چاہتے تو اپنے لیے اور اپنے صاحب زادوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے درویشانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے الفقر فخری پر کاربند رہے۔

سازِ عشق

آپ چونکہ بحر ذخار معرفت کے غواص وادیٔ سلوک اور کوچۂ تصوف کے راہی تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل دردمند اور جگر پر سوز سے نوازا تھا۔ آپ کا قلب سوز و سازِ عشق سے معمور اور ذوق وشوق سے مخمور تھا۔ موقعہ بموقعہ اپنی اس قلبی کیفیت کا اظہار دل گداز اور دلنشیں اشعار کی صورت میں فرماتے۔

ایک دفعہ بندہ خود ان کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ آپ اپنی بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ اس دن آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ آپ بھی خاموش اور ہم بھی ساکت مجھے ان کے صاحبزادے مولانا نورالہادی نے اشارہ کیا کہ آپ "رجی" کے ساتھ کچھ مشغول ہو جائیں۔ میں نے پہلے تولیت ولعل سے کام لیا۔ پھر خود دل میں خیال آیا کہ آپ سے کچھ مستفید ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ حضرت آپ کو تکلیف نہ ہو تو مجھے محمد علی حزیں کے اس شعر

کا مطلب سمجھا دیں۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ کیا کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا ؎

شادم کہ از رقیباں دامن فشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو۔ میں نے دوبارہ پڑھا۔ پہلے تو آپ تکیہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے، پھر بیٹھ گئے۔ چہرے کی رنگت بدل گئی۔ آنکھوں سے آنسو کا سیلاب امڈ آیا۔ بات کرنا چاہتے تھے لیکن آنسو کی وجہ سے آواز گلوگیر ہو جاتی دل میں سوچا کہ میں تے تو آپ سے اس کا مطلب اس لیے پوچھا تھا کہ آپ کچھ فرمائیں اور اس طرح رنگِ محفل جم جائے۔ لیکن کیا خبر تھی کہ آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوگی۔

پھر فرمایا کہ اگر اس کے اور اشعار آپ کو یاد ہوں تو وہ پڑھیں، میں نے عرض کیا ؎

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد — در دام بستہ باشد صبا در رفتہ باشد
آواز تیشہ امشب از بے ستوں نیاید — گویا بخواب شیریں فرہاد رفتہ باشد
شادم کہ از رقیباں دامن فشاں گذشتی — گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

کچھ دیر کے لیے آپ ان اشعار کو دہراتے اور عجیب کیفیت سے مخمور تھے۔ پھر جب آپ کی یہ حالت سنبھل گئی تو فرمایا کہ اہلِ دل اور اہلِ ذوق کمال کرتے ہیں۔ بس یہی تمہید باندھی تھی کہ اتنے میں کچھ مہمان آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور یوں ہم آپ کی گوہر افشانیوں سے محروم ہوئے۔

مذاق شاعری

ملکہ شعر انسان کی اندرونی کیفیات و احساسات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اظہار کا اعلیٰ ذریعہ اور ذوق و وجدان کی تسکین کے لیے بہترین سامان ہے۔

عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ اپنے اشعار کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

یہ مرے اشعار یہ جذباتِ قلبِ بے قرار — ہیں میرے وجدانِ حسن وعشق کے آئینہ دار
شاعری ہے میری تنہائی کا ایک شغلِ لطیف — اپنی بزمِ دل کا خود ساقی ہوں خود ہوں میگسار
جب ہوا کچھ کیف دل میں پڑھ لیے دو چار شعر — پھر بقدرِ ذوق ان کو پڑھ لیا دو چار بار

ہمارے حضرت الشیخ کو خداوند قدوس نے شعر و شاعری سخن فہمی کا بہترین نفیس لطیف اور اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا۔ فارسی اور پشتو کے قادر الکلام شاعر تھے اور اس کے علاوہ دیگر شعراء کے ہزارہا اشعار آپ کی نوکِ زبان تھے۔ موقع و مناسبت سے والہانہ ترنم کے ساتھ ان اشعار کو سناتے۔ خود بھی اس میں محو ہو جاتے۔ اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ اس نئی دنیا کی سیر کرانے۔

ایک دفعہ دورانِ درس جب کہ اس دن آپ کی طبیعت ناساز تھی ایک طالب علم نے آپ سے شعر کا تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ۔

کیف یأتی النظم لی والقافیہ
بعد ما ضاعت اصول العافیہ

تو اس شعر میں آپ کا مطالبہ بھی پورا کیا اور اپنا عذر بھی بیان فرمایا جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کو ہزارہا اشعار یاد تھے کثرت سے جن اشعار کا ذکر کرتے اس میں بھی مجھے انتخاب مشکل ہے البتہ بطور مشت نمونہ خروار۔ یہ چند اشعار جو کہ آپ کے شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں۔ قارئین کی نذر ہیں۔

طبع شد تسہیل ترمذی شریف — مختصر تطبیق بروجہ لطیف
مبتدی را علم گرداند مزید — منتہی در منتہا سازد شدید
علم او منقول از اسلاف شد — زاں سبب مقبول در احناف شد

تسہیل ترمذی میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

از برائے نواے جگر گفتم — باد گیرش کہ مختصر گفتم

بجوانانِ ناجیۂ کابل
بتضرع دعا کنم کامل
بہمہ طالبانِ جملہ سلام
گویدآں خادم القرآن مدام

علاوہ ازیں دیگر شعراء کے کلام میں سے اکثر یہ شعر وردِ زبان ہوتے۔ سے

ابتداء سازم بنامِ پاک آں بے ابتداء
وررہِ ادراک او ہر عقل را عجز انتہا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

چوں رفت از دست خم و جام ساقی
بما جز غم نماندہ ہیچ باقی

ترا دنیا چناں در قید کردہ
کہ مرغِ جانت ایں جا صید کردہ

دما دم مے کشد چوں اژدہائے
کہ دیگر مے نیابی زور بائے

ما قصۂ دارا و سکندر نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ہنگامِ تنگ دستی در عیش کوش ہستی
کہ کیمیائے ہستی قارون کند گدارا

آسائش دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

کس نداند کہ منزل گہہ آں یارِ کجا ست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

در بندِ ایں مباش کہ مضمون نماندہ است
صد سال مے تواں سخن از زلفِ یار گفت

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

عمر تو مانند ہمیان زرا ست
روز و شب مانند دینار اشمر است

اطلسِ عمرش بمقراضِ شہور
پارہ پارہ کرد خیاطِ غرور

نیم نانے گر خورد مردِ خدا
بذلِ درویشاں کند نیمے دگر

بر آستانِ تو غوغائے عاشقاں چہ عجب
کہ ہر کجا شکرستاں بود مگس باشد

خوش است بادۂ رنگین و صحبت جاناں
مدام حافظ ببدل در ہوس باشد

عمر دنیا چند روزے بیش نیست
غافل است آنکس کہ دور اندیش نیست

ہمچو صوفی در لباسِ صوف باش
از صفت ہائے خدا موصوف باش

در غربت اگر مرگ رسد در بدن من
آیا کہ کند گور کہ دوزد کفن من

تابوت مرا سوائے بلندی بگذارید
شاید کہ رسد بوئے وطن در بدنِ من

خدایا ناسپاسی نیست لیکن
ندانم ہجر تا کے صبر تا چند

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

گر کند آہنگ ظلمے بادشاہ
سودمند نہ بود درا گنج و سپاہ

از ستم ہر کو دلے را ریش کرد
آں جراحت بر وجودِ خویش کرد

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

صبح صادق مرہم کافور دارد در بغل
گر علاجِ زخم عصیاں مے کنی بیدار باش

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے

نوشتہ بماند سیاہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

دنیا ست باغ کہنہ و انساں چوں نو گلند
ہر یک ز شاخِ عمر کند باغباں جدا

بسیار خفتہ اند دریں خاک سیم تن
شاہانِ عروس لیلے از جہاں جُدا

عبار اتنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

لقد شرقت شموس الہدی فی وجوہہم
وقدرہم فی الناس لا یزال یعتلی

صحاح حدیث المصطفی وحسانہ
شفاء عجیب فلیزل منہ دائکم

فقد اسمعت لو نادیت حیاً
ولکن لا حیات لمن انادی

یغشون بینہم المودۃ والوفا
وقلوبہم محشورۃ لعقارب

الارض تحیی اذا ما عاش عالمہا
متی یمت عالم منہا لمیت طرف

تجلی تری ذات کا سو بسو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

شالِ زربفت تمہیں مبارک ہو اے دولتمند
ہم کو کملی میں دوشالے کا مزا ملتا ہے

احترام اساتذہ اپنے اساتذہ کرام اور مشائخ کے ساتھ آپ کی انتہائی محبت تھی بلکہ یہ محبت اپنے شیخ فی التفسیر مولانا حسین علی صاحب اور شیخ فی الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی کے ساتھ عقیدت تک پہنچ گئی تھی ؎

قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے
دیار دل میں بہت احترام ہے تیرا

آپ کا معمول یہ تھا کہ جب درس شروع کرتے تو ابتداء میں درود شریف اور اختتام پر دعا فرماتے اور اس میں ضرور اپنے اساتذہ اور مشائخ کا ذکر کرتے فرماتے کہ ہمیں جو فیض پہنچا ہے وہ انہی حضرات اور نفوس قدسیہ کی مرہون منت ہے اور ان کا ہم پر اتنا عظیم احسان ہے کہ اگر ہم تمام عمر ان کی خدمت گزاری کے لیے وقف کرتے تو بھی ہم ان کا حق ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے اور ان کی خدمت نہیں کر سکتے تو ان کے رفع درجات کے لیے دست بدعا رہیں گے۔

طلبہ کے ساتھ شفقت آپ ایک شفیق و مشفق شیخ اور طلبہ کے ساتھ محبت اور محنت سے پڑھاتے۔ طلبہ کے سوالات کے جوابات انتہائی نرمی اور خندہ پیشانی سے دیا کرتے۔ اور ان کو خوش کرنے کے لیے ہلکا پھلکا مزاح بھی فرماتے۔ ایک بار درس قرآن کے ضمن میں فرمایا کہ آج کل بعض طلبہ بھی نسوار کے عادی ہیں۔ منہ کو گندگی کے محل میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس پر ایک حاجی صاحب جو درس قرآن میں شریک ہوتے تھے نے بھی نسوار کے بارے میں طلبہ کے حق میں کچھ مختلف قسم کے الفاظ استعمال کیے۔ اس پر حضرت الشیخ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ حاجی صاحب طلبہ تو میرے بچے ہیں اور باپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بچوں

کی سرزنش کرے۔ آپ کو طلبہ کی سرزنش کا حق کس نے دیا ہے؟

عوام الناس سے اجتناب

تزکیہ نفس کے لیے اصطلاح تصوف میں ان چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ قلت کلام قلت منام۔ قلت طعام اور قلت اختلاط مع الانام۔ حضرت شیخ میں ہم نے ان چاروں صفات کا مشاہدہ کیا۔ آپ ہمیشہ کے لیے عوام الناس سے کنارہ کش رہتے اور ان کے ساتھ زیادہ میل جول اور اختلاط کو روحانی ترقیات وفیوضات کے لیے ازحد مضر سمجھتے۔ فرمایا کرتے کہ طلبہ کی وجہ سے میرا تعلق عوام الناس سے آگیا ہے اگر یہ طلبہ نہ ہوتے تو میں ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرتا۔

فرمایا۔ کہ حدیث العین حق" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ عین صالح اور عین فاجر دونوں تاثیر کرتی ہیں۔ اول میں صلاح کی تاثیر کرتی ہیں۔ اول میں صلاح کی تاثیر موجود ہے اور دوسری میں فسق وفجور کی۔ فرمایا۔ کہ یہ تاثیر متجاوز ہوتی ہے اچھے اور صالح آدمی کی نظر کی وجہ سے بچوں میں صلاح اور فاسق وفاجر آدمی کی نظر کی وجہ سے فسق وفجور کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

اخلاقِ عالیہ

آپ خود بھی اخلاقِ عالیہ کے پیکر تھے اور طلبہ کو بھی خوش اخلاقی اور عالی ظرفی کی ترغیب دیتے اس آیت کریمہ کے ضمن میں ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک میں فرمایا کہ یہاں پر خداوند کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی کی تعریف فرماتے ہیں۔

چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک کے ساتھ آپ کا یکساں سلوک ہوتا۔ اگر شدت بیماری کی وجہ سے آپ کو تکلیف بھی ہوتی تو بھی کسی ملنے والے پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ اس کے ساتھ مصروف گفتگو رہتے۔

جذبۂ تبلیغ

آپ میں تبلیغ وارشاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ہر وقت

آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ کس طرح دین کا ایک مسئلہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس صفت میں آپ اپنے شیخ فی التفسیر مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ کے مکمل پرتو تھے اپنے علاقے میں چھوٹے چھوٹے جلسوں میں باوجود ضعف و پیری اور نقاہت وکمزوری کے شرکت فرماتے۔ اور اگر گھر پر کچھ مہمان آجاتے تو بھی ان کے ساتھ یہی دینی باتیں۔ شریعت مطہرہ کی حکمتیں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تلقین یہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

سادگی آپ انتہائی سادہ مزاج تکلف وتصنع اور ظاہری نام ونمود سے کوسوں دور۔ امور دینیہ میں عاقل اور دنیویہ میں ناواقف۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ۔

اہل جنت کی اکثریت سادہ مزاج افراد پر مشتمل ہوگی۔ ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے۔ فرمایا۔ میری طرف متوجہ ہوں۔ دو تین دفعہ یہ بات دہرائی۔ تمام حاضرین ہمہ تن گوش ہوئے کہ حضرت کونسی عجیب بات بتا رہے ہیں۔ فرمایا کہ آج کل ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔ مجھے تو ایسے لوگوں پر تعجب ہے۔

اعتدال پسندی آج کل افراط وتفریط کا دور ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل کفر وایمان کے لیے مدار ٹھہرائے گئے ہیں۔ بندہ اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ ان اختلافات کو دیکھ کر اسلام سے ناواقف شخص کے ذہن میں کس طرح اسلام کی طرف میلان پیدا ہوگا۔ حضرت الشیخ اس قسم کے افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل راہ پر گامزن تھے۔ باوجودیکہ وہ مسئلہ سماع الموتیٰ کے قائل نہ تھے۔ لیکن کبھی اس مسئلہ کو تبلیغ کا مسئلہ نہیں بنایا۔ درس میں معمولی اشارہ کرتے کہ ہمارے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سماع الموتیٰ کے قائل نہیں۔ جب طلبہ آپ سے

اس بارے میں سوال کرتے تو فرماتے کہ آپ کی مرضی۔ میں نے تو آپ کو اپنے امام کا قول اور مسلک بتایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمانے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مختلف فیہا چلا آرہا ہے۔ اس لیے اس میں تشدد سے کام نہیں لینا چاہئے

نذر اشک

یہ تو حضرت الشیخ کی عادات وخصائل کا ایک اجمالی خاکہ تھا اور اس میں زیادہ تر اپنے مشاہدات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ورنہ حضرت الشیخ ایک مجموعۂ محاسن تھے۔ آپ کی شخصیت کے بہت سے مخفی گوشے ہیں جن کا احاطہ نوکِ قلم سے نہیں کیا جا سکتا۔ بقولِ شاعر ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

آج وہ اس دنیائے آب وگل اور کاخ رنگ وبو سے رخصت ہوتے ہیں مقدراتِ ازلیہ وتقدیر الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آپ کی روح مبارک سے اتنا عرض ہے کہ ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

خداوند قدوس آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرماتے اور پسماندگان وتلامذہ پر آپ کے انوار وبرکات کا نزول ہو ؎

نذرِ اشکِ بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

آپ کی سیرت کے حوالے سے مولوی خلیل احمد صاحب مخلص فاضل دارالعلوم حقانیہ نے راقم کے نام درج ذیل مضمون ارسال کیا جو کہ ہدیہ ناظرین ہے۔

استاد محترم حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ سے ملاقات کی سعادت تو بچپن اور لاشعوری دور میں نصیب ہوئی تھی۔ جب کہ خاندانی مراسم، جدامجد حضرۃ مولانا عبدالجبار رحمہ اللہ سے خصوصی تعلق اور وعظ و تبلیغ کے سلسلے میں آپ ہمارے گاؤں کوٹھا تشریف آوری فرمایا کرتے تھے۔

لیکن باقاعدہ طور پر آپ سے عقیدت و محبت کا سلسلہ کچھ یوں شروع ہوا کہ آج سے تقریباً دس سال قبل جبکہ راقم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں زیر تعلیم تھا تو ایک دن اکوڑہ خٹک سے گھر آتے ہوئے اتفاقاً آپ سے ملنے کے لیے شاہ منصور میں اترا۔ جب آپ کی مسجد پہنچا تو حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کو درس حدیث میں مشغول پایا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر درس میں شریک ہونے کا عزم کیا اور حضرت شیخ کے قریب بیٹھ گیا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ مشکوۃ شریف کے در باب عشرۃ النساء وما لکل واحدۃ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت واللہ لقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون بالحراب فی المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ لانظر الی لعبھم بین اذنہ وعاتقہ ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا التی انصرف فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو (الحدیث) کی تشریح فرما رہے تھے۔

کچھ دیر بعد مجھے شریک درس سمجھ کر مخاطب ہوتے اور فرمایا ور آگے عبارت پڑھو، میں نے اگلی حدیث وعنہا قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم اذا کنت عنی راضیۃ الخ کی عبارت پڑھی۔ آپ نے

چند ضروری مباحث بیان کرنے کے بعد دعا فرمائی۔ میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اور تعارف کرایا تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔

پھر اس کے بعد تو دو دفعہ آپ سے باقاعدہ دورہ تفسیر پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور یوں حضرت رحمہ اللہ سے عقیدت و محبت روز بروز بڑھتی گئی

میری طالب علمی کے آخری ایام میں ایک دفعہ خواب میں حضرت شیخ القرآنؒ کی زیارت نصیب ہوئی کہ ماہِ رمضان میں درس قرآن سے فارغ ہوتے ہوئے آپ نے مجھے بلایا۔ میں نے حاضر ہو کر مصافحہ کیا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔ آپ نے گلستان سعدیؒ کا ایک نسخہ مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ " روزانہ آیا کرو اور میں درس قرآن کے بعد یہ گلستان تمہیں پڑھاؤں گا۔ اور پھر اس وقت کتاب کا افتتاح فرماتے ہوئے چند ابیات کا ترجمہ بھی پڑھایا۔

اس خواب کے بعد میرے دل میں آپ سے بیعت ہونے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور دورہ حدیث سے فراغت کے فوراً بعد حاضر ہوا۔ اس حاضری کے دوران جب اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو انتہائی شفقت سے نوازتے ہوئے مجھے بیعت فرمایا۔ وظائف واوراد بھی دیئے اور بار بار دعوات صالحہ بھی فرماتے رہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علمی وعملی محاسن، جذبہ اشاعت دین، اتباع سنت، استغناء، توکل، تزہید فی الدنیا اور اخلاص وللہیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم تفسیر میں مجتہدانہ بصیرت سے نوازا تھا۔ اور یہ ایسی خوبیاں ہیں کہ ایک مفسر قرآن کے اندر ان خوبیوں کا موجود ہونا انتہائی اہم اور ضروری ہے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف " الاتقان فی علوم القرآن "، میں بحوالہ البرہان رقمطراز ہیں۔

اعلم انہ لا یحصل للناظر فہم معانی الوحی ولا یظہر لہ اسرارہ وفی قلبہ بدعتہ او کبر او ھوی او حُبّ الدنیا او ھو مصر علے الذنب او غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقیق او یعتمد علے قول مفسر لیس عندہ علم او راجع الٰے معقولہ وھذہ کلھا حجب وموانع بعضھا آکد من بعض۔

آپ ہمیشہ توحید و سنت کی اشاعت میں منہمک، شرک و بدعات اور رسومات کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اوائل درس میں سورۃ الفاتحہ کی آیت ایاک نعبد وایاک نستعین کی تفسیر کے دوران لفظ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ لفظ عبادت کا لغوی معنی غایۃ التعظیم ہے۔ اور اصطلاح اہل السنۃ میں التعظیم قولاً وفعلاً مع عقیدۃ التوحید واتباع السنۃ کو کہا جاتا ہے پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقیدۃ التوحید کی قید احترازی ہے۔ اس سے تمام فرقِ باطلہ خارج ہوئے جو توحید کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح اتباع الرسول کی قید سے جملہ بدعات سے احتراز آیا۔ مثلاً قبروں پر چراغ جلانا اور جملہ بدعات جو فقہاء کرام نے تفصیلاً ذکر کیے ہیں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زندگی کبر وریاء سے پاک تھی۔ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ اور اخلاص و توکل کا مجسمہ تھے۔ پوری زندگی اپنے اساتذہ اور خصوصاً حضرات شیخین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور استاذ العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمہ اللہ) کی طرح بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے علوم قرآن و حدیث کی اشاعت کرتے ہوئے رہے۔ کئی اہم اور مشہور دینی درسگاہوں کے منتظمین کی جانب سے اہتمام اور دیگر اہم عہدوں کی پیشکش ہوتی رہی۔ لیکن آپ انکار فرماتے رہے۔ اور تادم واپسیں محلہ کی جامع مسجد میں حسبۃً للہ پڑھاتے رہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ایک مرید خاص احقر سے ذکر کر رہے تھے کہ کافی عرصہ قبل موضع طورو ضلع مردان کے ایک رئیس نواب سعادت علی خان بانی دارالعلوم سعادت العلوم اور موضع درگئی ضلع چارسدہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت امیر واحد صاحب المعروف بہ درگئی باباجی صاحب رحمہ اللہ ایک دن شاہ منصور تشریف لائے۔ حضرت شیخ ؒ اتفاقاً اسی دن وعظ و تبلیغ کے سلسلہ میں دور کسی جگہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ دونوں حضرات جب آپ سے ملاقات کیے بغیر واپس جا رہے تھے تو انہوں نے حضرت شیخ ؒ کے نام ایک خط لکھ چھوڑا۔ جس میں مدرسہ کی سرپرستی اور درس و تدریس اور معقول مشاہرہ کا ذکر کیا تھا۔ حضرت شیخ ؒ اگلے دن واپس ہوئے تو مسجد میں درس قرآن شروع کرنے سے قبل آپ کو نواب صاحب کا خط دیا گیا۔ آپ نے خط پڑھا تو آنکھیں پُرنم ہوئیں اور طلباء سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ طورو کا نواب مجھے تنخواہ کا لالچ دیتے ہوئے اپنے مدرسہ میں پڑھانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ میری گھر والی تو روزانہ سَو سَو طلباء کے لیے کھانا تیار کر کے اس کام کو ابدی سعادت سمجھتی ہے۔ اگر نواب صاحب کا اپنی بیوی پر اعتماد ہو کہ بذات خود طلباء علم دین کی خدمت کرنے پر راضی ہو گی تو میں آج ہی ان کے ہاں بلا معاوضہ پڑھانے اور مدرسہ کی مدرسی قبول کرنے کو تیار ہوں۔

ایک بار آپ کو وعظ کے سلسلہ میں علاقہ بدون کے ایک گاؤں میں دعوت دی گئی۔ اس پہاڑی علاقہ میں اکثر دیہات کی آبادی اور محل وقوع کچھ یوں ہے کہ وہاں جانے کے لیے اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھنا اور اترنا ہوتا ہے۔ ایک نووارد کے لیے ان پہاڑی راستوں پر چلنا اور سفر کرنا انتہائی مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ اور پھر حضرت شیخ ؒ جیسے ضعیف اور نحیف شخص کے لیے تو ان راستوں پر پیدل چلنا اور یہ طویل مسافت طے کرنا سخت مشکل کام تھا۔ لیکن اس مذہبی

اجتماع کی افادیت اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور رضاء الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ بخوشی آمادہ ہوئے۔

رستے بڑے پُرپیچ تھے اور کوس کھڑے تھے
لیکن تیری آواز پہ ہم دوڑ پڑے تھے

اس سفر کے دوران جب کہ آپ رات کی تاریکیوں میں پیدل چل رہے تھے ایک پہاڑ پر سے اترتے ہوئے گر پڑے۔ اور پاؤں میں شدید چوٹ آئی سو یہاں سے آپ پشاور لے جائے گئے اور ہسپتال میں داخل کرائے گئے۔ اس حادثہ کے پیش آنے سے آپ کے متعلقین اور شریک درس طلباء کو تشویش ہوئی۔ دورہ حدیث کے اسباق پڑھانے کی ذمہ داری آپ کے ہم سبق اور مخلص دوست حضرت العلامہ مولانا فضل حسین صاحبؒ ساکن مانیری (صوابی) نے قبول کر لی۔ اور اسباق کے اختتام تک پڑھاتے رہے۔ حضرت شیخؒ کافی عرصہ زیر علاج رہے۔ جن طلباء وفضلاء نے آئندہ سال دورہ تفسیر میں شریک ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ انہیں بھی مایوس ومغموم ہونا پڑا۔ لیکن جب دورہ تفسیر شروع کرنے کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے صاحبزادہ مولانا نور الہادی صاحب کو اخبارات میں دورہ تفسیر شروع کرنے کے متعلق اشتہارات دینے کا حکم فرمایا۔ اور خود تاریخ بھی متعین فرمائی۔ اخبارات میں جب یہ خبر شائع ہوئی تو افغانستان اور سرحد کے دور دراز علاقوں سے طلباء کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور چند ہی ایام میں ہزاروں کی تعداد میں طلباء جمع ہوئے۔ آپ مقررہ تاریخ کو چارپائی کے ذریعے مسجد میں لائے گئے۔ اور تکیوں کے سہارے بٹھائے گئے۔ حسب معمول درس شروع کرنے سے قبل دعا فرمائی۔ اور پھر فرمایا "یہ تکلیف کیا ہے اگر سارا بدن بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے لیکن صرف زبان میں بولنے کی طاقت

باقی ہو تو انشاء اللہ درس قرآن کا یہ سلسلہ منقطع نہ ہونے دوں گا۔ قرآن کریم کی خدمت ہمارا مقصد و مشن ہے۔ اگر تخت شاہی اور سلطنت و حکومت کی پیشکش ہو تو اس کے بدلے میں ہم لات مار کر ٹھکرا دیں گے۔ ان الفاظ کا زبان سے ادا ہونا تھا کہ تمام حاضرین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اور حضرت شیخؒ خود بھی گلوگیر آواز میں یہ اشعار سناتے رہے۔

شعر
چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمے خرم

حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کو عارف رومیؒ، حافظ شیرازیؒ اور سعدی شیرازیؒ کے اشعار کا بیشتر حصہ ازبر تھا۔ پشتو کے مشہور صوفی شاعر عبدالرحمن اور حافظ الپوری کے اشعار سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ درس کے دوران موقع و محل کی مناسبت سے جو اشعار سنایا کرتے تو سامعین کو محظوظ فرماتے۔ اشعار سنانے کا لہجہ بھی انتہائی رقت انگیز اور پر کیف تھا۔ خود بھی عربی، فارسی اور پشتو زبان میں اشعار کہنے پر عبور رکھتے تھے۔ حضرت کے شعری ذوق کی چند جھلکیاں ان اشعار میں ملاحظہ ہوں۔ قرآن کریم کی تعریف پر بحث کرتے ہوتے فرمانے کہ قرآن کریم کی تعریف جو علماء اصول نے کی ہے وہ یہ ہے۔ القرآن ھو الکتاب المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلاً متواتراً بلا شبھۃ۔ اور دوسری تعریف جو علماء تفسیر نے کی ہے اور خود قرآن میں بھی مذکور ہے۔ "کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب (الآیۃ) اور پھر یہ اشعار سناتے۔

؎ چیست قرآن اے کلام حق شناس
رونمائے رب ناس آمد بہ ناس
حرف حرفش راست در بر معنے
معنے در معنے در معنے!

اسی طرح سورۃ یوسف کی آیت وتولی عنہم وقال یا اسفیٰ علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فہو کظیم (الآیۃ) کے ذیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم واندوہ اور حزن وملال کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر سنایا کرتے۔

؎ مطرب ترانہ شب غم ساز میکند
غم ہائے رفتۂ ہمہ آواز میکند

اور وابیضت عیناہ من الحزن فہو کظیم (الآیۃ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ من قال ان یعقوب علیہ السلام اعمی فہو ساب لاتقبل توبتہ لان الانبیاء لایجئ لہم العمی لانہ عیب وانہم خالٍ عنہم۔ اور پھر حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر سناتے۔

؎ یعقوب را دو دیدہ ز حسرت سفیدہ شد
آوازہ ز مصر بکنعان نمیرسد۔

سورۃ الرعد کی آیت اولم یروا انا نا تی الارض ننقصہا من اطرافہا۔ کا مختلف تفسیریں بیان کرنے کے بعد فرماتے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ننقصہا من اطرافہا بموت العلماء والصلحاء۔ اور اس کے بعد یہ شعر لوگ زبان پر ہوتا۔

ــــ الارض تیا اذا ما مآش ما لہا
سی یست عالم منہایست طرف

سورۃ الانبیاء کی آیت قالوا حرّقوہ وانصروا الہتکم (الایۃ) کی ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استقلال وثبات کا ذکر فرماتے تو یہ شعر رقت آمیز لہجہ میں سناتے۔

ــــ بجرم عشق توام مے کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

سورۃ طٰہٰ کی آیت فالقی السحرۃ سجداً قالوا اٰمنا برب ھٰرون وموسٰی (الایۃ) میں قوم فرعون کے ساحروں کی مغلوبیت کا ذکر کرتے تو یہ شعر بار بار سنا کر سامعین کو محظوظ فرماتے۔

ــــ سحر با معجزہ پہلو نزند خوش داری
سامری کیست کہ دست از ید بیضا بُری

سورت عبس کی آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (الایۃ)

کی ضمن میں نفس کو لذات اور خواہشات دنیا سے بچانے کی ترغیب فرماتے تو یہ شعر ذکر زبان پر لاتے۔ ــــ

نفس را بد خو بہ ناز و نعمت دنیا مکن آب و نان و سیر کاہل میکند مزدور را۔

حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو اور پشتو کے بیشمار اشعار سے درس و تدریس اور تقاریر و مواعظ کے محافل و مجالس کو کشت زار زعفران بناتے۔ لیکن یہاں بخوف طوالت ان ہی چند اشعار پر اکتفا کرتے ہوئے ان سطور کو ختم کرتا ہوں۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولوی فرید احمد صاحب [illegible] حضرت اقدس شیخؒ کے بارے میں مشاہدات یوں بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ رمضان شریف تھا۔ ہم [illegible] تھے [illegible] تقسیم قرآن شریف منعقد ہونے والی تقریب تھی۔ تاہم اس تقریب میں تقسیم [illegible]۔ چونکہ طلباء کی تعداد کافی تھی اس لیے بعض طالب علم باقی رہ گئے جنھیں [illegible]۔ ہم نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ انشاءاللہ ہم کل پھر آئیں گے اور باقی طلباء میں بھی تقسیم کریں گے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ کچھ دس ہزار روپے ہم حضرت شیخؒ کو پیش کریں گے۔ تاکہ آپ خود طلبہ کے حق میں وہ خرچ کریں۔ چنانچہ جب ہم نے سب نذرانہ حضرت کو رقم پیش کی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آئے اور کافی دیر تک آپ کی آنکھیں پرنم رہیں۔ ہم پر بھی ہیبت طاری ہوئی کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہوا۔ آخر ہم نے ہمت کر کے حضرت صاحب سے عرض کیا جناب ہمیں معاف فرمادیں۔ کیا وجہ ہے کہ آپ کی آنکھیں پرنم ہوئیں۔ کیا ہماری یہ حرکت آپ کو پسند نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے مدرسے کے لیے کچھ لوگوں سے چھ ہزار روپے قرض لیے تھے۔ اور آج ہی کا دن ان کو واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن کل سے میرے دونوں بیٹے کہیں چلے گئے ہیں۔ میرے ساتھ تمام رات فکر رہی۔ کہ یا اللہ کیا ہوگا! میں نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی کہ یا اللہ [illegible] تو وعدہ کیا ہے اور کل وعدے کا دن ہے۔ اب اگر میں نے وعدے کے مطابق ان لوگوں کو قرضہ واپس نہ کیا تو یہ لوگ کہیں گے کہ دن رات لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھاتا ہے اور گویا ایک قسم کا پیر و مرشد ہے لیکن اخلاق کا یہ عالم ہے کہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا۔ میں نے رب کریم سے دعا کی کہ اگر میری ذات کی بے عزتی ہو جائے، تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں تو ایک خطا کار انسان [illegible] لوگ مجھے دین کے حوالے سے پہچانتے ہیں تو [illegible]

میری وجہ سے دین کی بدنامی ہو جائے، تو ہی غیب سے ہماری دستگیری فرما۔ اب جب آپ لوگوں نے یہ روپے پیش کیے تو مجھے اللہ کی شانِ ستاری یاد آئی اور آپ لوگوں کے ذریعہ ہمارا مسئلہ آسان فرما دیا۔ اس کے بعد آپ نے صرف چھ ہزار روپے لے لیے اور بقایا چار ہزار ہمیں واپس کر کے فرمایا۔ کہ یہ رقم بھی طلبہ میں تقسیم کریں یہ آپ کے جود و سخا کا کرشمہ تھا، ورنہ آپ خود اس رقم کے مستحق تھے، لیکن انہوں نے اپنے بجائے طلبہ کی ضروریات کا خیال رکھا، اور یوں یُؤثِرُونَ عَلٰی أَنفُسِهِم وَلَوْ كَانَ بِهِم خَصَاصَة کی عملی تفسیر کا ہم نے بچشم خود مشاہدہ کیا۔ ہم نے حضرتؒ سے پھر استفسار کیا۔ کہ حضرت آپ کو خود بھی ضرورت تھی، آپ نے یہ روپے کیوں طلبہ میں تقسیم کیے، آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری پردہ داری کی اور میرا اتنا خیال رکھا۔ تو میں کیوں اس ذاتِ قدسی کا شکریہ ادا نہ کرتا۔

اسی طرح ایک دفعہ احقر نے آپ سے جمعیۃ علماء اسلام کے بارے میں استفسار کیا کہ حضرت جمعیۃ کے متعلق کچھ ارشاد فرما دیں، تو فرمایا۔ کہ جمعیۃ علماء اسلام جمعیۃ العلماء ہند کے تسلسل کا نام ہے۔ اور جمعیۃ العلماء ہند نے آزادیٔ وطن کے لیے بیش بہا قربانیاں دی ہیں، اب آزادی کے بعد جمعیۃ علماء اسلام نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بیش بہا قربانیاں دی ہیں۔ قائدین جمعیۃ مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے سیاسی بصیرت اور تدبر کے از حد معترف تھے۔

تحریک ختم نبوت کے دوران جب آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ تو آپ نے طلبہ کو قصبہ شاہ منصور کے ساتھ ملحق نہر پہ ہو رہیں درس دیا۔ درس دینے کے بعد طلبہ کو فرمایا۔ کہ میری گرفتاری کا وارنٹ آیا ہے۔ اب قیادت نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ گرفتاریاں پیش کریں یا نہ کریں۔ اس لیے میں آج باہر جا رہا

ہوں قیادت جب گرفتاری پیش کرنے کو کہے، تو پھر میں گرفتاری تحفظ ختم نبوت اور ناموس رسالت ؐ کے لیے پیش کرونگا، اور اگر انہوں نے کہا کہ گرفتاریاں پیش نہیں کرتے تو پھر گرفتاری دیئے بغیر تحریک میں حصہ لوں گا۔ چنانچہ آپ وہاں سے پیدل موضع مانکی ضلع صوابی چلے گئے جون جولائی کا مہینہ اور ساتھ ہی دوپہر کا وقت بھی تھا۔ وہاں پہنچ کر سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور ایک آدمی کو مولانا غریب اللہ کو بلانے کے لیے بھیجا، کہ اس کو کہیں آپ کا مہمان آیا ہے۔ چنانچہ جب مولانا غریب اللہ صاحب مسجد آئے تو دیکھا کہ حضرت الشیخ ؒ سر کے نیچے اینٹ رکھے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ جونہی انہوں نے حضرت الشیخ ؒ کو دیکھا گھر کو واپس جانا چاہا کہ حضرت کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرے۔ حضرت الشیخ ؒ نے ان کو فرمایا۔ کہ میرے خلاف وارنٹ ہے۔ اس لیے کھیتوں اور پگڈنڈیوں سے ہوتا ہوا یہاں آیا ہوں۔ مولانا نے ان کو کھانے پینے کے لیے کہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ انتظام نہ کرو۔ میں روزہ سے ہوں۔

میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ سکول سے آتے ہی والد محترم نے کہا۔ کہ آج میں آپ کو موضع شاہ منصور لے چلتا ہوں۔ چونکہ اسی عمر میں انسان چکر کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے تو خوشی کی وجہ سے اپنی والدہ سے پوچھا۔ کہ کس لیے تو والدہ صاحبہ سے کہنے لگی۔ کہ ہم نے یہ جو نیا گھر بنایا ہے اس میں کچھ پروگرام کرنا ہے تو حضرۃ شیخ القرآن کو دعوت دینے کے لیے آپ کے والد شاہ منصور جا رہے ہیں ہم نے گاؤں سے ایک میل دور بر لب سڑک نیا گھر بنایا تھا۔ ہمارے ساتھ چار پانچ مکان اور بھی تھے، جب کہ اس سے پہلے گھر کے قریب کوئی مسجد نہیں تھی۔ گھر آباد کرنے سے قبل میرے والد صاحب نے ایک قطعہ زمین خرید کر اس کو مسجد کے لیے مختص کیا۔ اور ایک چھوٹی سی مسجد وہاں پر تعمیر کرائی، جو کہ ہمارے گھر کے

بالکل قریب ہے چنانچہ ہم جب حضرت شیخ القرآن کے درِ دولت پر حاضر ہوئے
وہاں پر کچھ اور مہمان بھی بیٹھے ہوئے تھے علیک سلیک کے بعد فرمانے لگے کہ یہ
ایک مہمان دعا کے متعلق پوچھ رہا ہے تو اس کو میں نے حسن بصریؒ کا واقعہ
سنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حسن بصری نے جماعت سے فارغ ہوکر ایک
آدمی کو دیکھا کہ مسجد سے بغیر دعا مانگے جارہا ہے تو حسن بصریؒ نے اس آدمی کو آواز
دی اور فرمایا کہ کیا آپ محتاج نہیں کہ اللہ سے مانگے؟ اس کے بعد ہم نے ان کو
اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ اور ان کو گھر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے
سنت کے مطابق ہماری دعوت کو حسنِ قبول بخشا اور حسبِ وعدہ وقت پر ہمارے
ہاں تشریف آوری فرمائی۔ اسی دعوت میں شیخ الحدیث مولانا امین گل رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ العالی بھی موجود تھے، نے کے بعد گھر میں
تینوں بزرگوں نے چکر لگایا، اور گھر کے صحن میں امرود کے پودے کو پانی بھی دیا۔ جو
آج تک بحمداللہ موجود ہے اور ان ہی بزرگوں کی برکت سے وہ پودا بہت ہی پھلدار
بارآور اور میٹھا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا امین گل رحمہ اللہ نے ہمارے والد صاحب
کو مبارکباد دی اور اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد احمد مدظلہ نے بھی۔ لیکن
حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں آپ کو مبارکباد نہیں دیتا۔ کیونکہ آپ
کا یہ مکان گاؤں سے دور ہے اور یہاں پر کوئی مسجد نہیں۔ آپ لوگ تو بڑے
ہیں دور مسجد کو نماز کے لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن آپ کے یہ بچے جو کہ ابھی چھوٹے
ہیں، یہ اتنے دور نہیں جاسکتے اور اگر بالفرض دن کے وقت نماز کے لیے وہاں
جائیں تو صبح اور عشاء کو یہ نہیں جاسکتے، اس لیے یہاں مسجد کا ہونا ضروری ہے
میرے والد صاحب نے انہیں کہا۔ کہ مسجد کے لیے ہم نے یہ قطعہ زمین مختص کیا ہے
اور یہاں پر ہم لوگ اور آس پاس کے مکین نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے

بڑے والد صاحب کو مبارک باد دی اور انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔

۲۳ اگست ۱۹۸۸ء کو جب دار العلوم تعلیم القرآن جنازہ میں شرکت کی غرض سے چلا گیا تو لوگوں کا ایک موجیں مارتا ہوا سمندر تھا جو آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ جب جنازہ گاہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی گاڑی مجھے ہجوم میں نظر آئی میں بہت کوشش کے بعد ان کی گاڑی تک پہنچا، وہاں دیکھا تو حضرت شیخ الحدیث صاحب گاڑی میں تشریف فرما ہیں اور ہجوم کی وجہ سے گاڑی ہی میں آپ نے نماز جنازہ ادا کی۔ جنازہ کے بعد ایک بوڑھے عالم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب سے روتے ہوئے کہا کہ بزرگانِ دین اور علماء ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ ابھی صرف آپ ہی پر ہماری نظر ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمادے، تو حضرت شیخ الحدیث نے گلوگیر آواز میں فرمایا کہ کبرنی موت الکبار اس سے حضرت شیخ الحدیث کی تواضع وانکساری بھی معلوم ہوتی ہے اور حضرت شیخ الحدیث کی نظر میں حضرت شیخ القرآن کا مقام بھی۔

مولانا قاضی عبدالصمد صاحب فاضل دار العلوم حقانیہ اپنے شیخ کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت الشیخؒ سے بندہ نے تلمذ کی سعادت حاصل کی ہے اور شعبان ورمضان المبارک میں ان کے دورہ تفسیر میں شرکت کی ہے آپ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ

شعر
مضتِ الدھور وما اتین بمثلہ
ولقد اتی فعجزن عن نظرا بہٗ

آپ کے اخلاقِ ظاہری سے سیرت باطنی کا پتہ لگتا تھا۔ وسعتِ اخلاق نے آپ کو عندالناس مقبول اور آپ کے دائرہ مقبولیت کو وسیع بنایا تھا اور اس طرح

پاکیزہ کردار نے آپ کو عنداللہ وجیہہ بنایا تھا۔ ہمیشہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ باوجود علالتِ طبعی اور مصروفیات کے ہر ملنے والے ملاقاتی سے ایسے خلوص وکشادہ پیشانی سے ملتے۔ کہ ملاقاتی انتہائی فرح وسرور اور انبساط واطمینان محسوس کرتا۔

حضرت الشیخؒ کے گفتار میں ساحرانہ حلاوت وفصاحت حق گوئی وحق جوئی تھی۔ فطرتاً خاموش طبیعت کے مالک تھے۔ ایک دفعہ جب کہ آپ درس قرآن سے فارغ ہوئے۔ تو مولانا میاں[1] داد صاحب شیخ ڈھیروی ضلع صوابی تشریف لائے۔

جو کہ انتہائی بزرگ اور صوفی منش انسان تھے۔ لیکن رمضان اور عید کے چاند کے بارے میں آپ کی منفرد تحقیق تھی۔ آتے ہی آپ نے تقریر شروع کی اور کہا۔ کہ حدیث میں جو روایت آتی ہے وہ مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ مغرب کی طرف ہم شام کو دیکھیں۔ بلکہ صبح بھی سورج نکلنے سے پہلے دیکھ سکتے ہیں بہرحال اسی طرح کچھ دلائل دیئے اور شکوہ بھی کیا۔ کہ علاقے کے علماء کرام میرے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت الشیخؒ سے اجازت لی اور چلے گئے۔ آپ کی تقریر کے دوران حضرت الشیخؒ بالکل خاموش تھے۔ اور آخر تک کچھ نہیں فرمایا۔ مولانا میاں دادؒ کے جانے کے بعد ہم نے پوچھا کہ حضرت آپ نے کچھ نہیں کیا۔ فرمایا یہ بزرگ آدمی ہے لیکن کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ خاموشی اختیار کیجائے

---

[1] مولانا میاں داد صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ میرے والد صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں حوض کے کنارے آپ رات کو مطالعہ کرتے اور کہتے کہ میں اس لیے اس حوض کے کنارے مطالعہ کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھ پر اکثر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے تو اس کے کنارے بیٹھ کر اگر اونگھ آجائے۔ تو میں حوض میں گر جاؤں گا۔ تو اچانک ایک رات ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ آپ کو اونگھ لگی اور حوض میں گر پڑے۔ (حقانی)

کیونکہ بحث ومباحثہ کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس واقع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسروں کی عزت نفس کا کتنا خیال رکھتے تھے اور پھر اپنی فراست تومنانہ اور نور بصیرت سے یہ معلوم کیا۔ کہ ایسے مواقع پر بحث ومباحثہ سے اجتناب چاہیئے۔

ایک دفعہ ہم چندیں تھی بغرض ملاقات حاضر ہوئے۔ کھانے کا وقت قریب تھا۔ اپنی روایتی مہمان نوازی کے مطابق فوراً تشریف کے لیے، اور گھر سے ماحضر لاکر فرمانے لگے۔ کھاؤ جو کچھ حاضر ہے، پھر فرمایا کہ میں نے ایک کتاب میں مسئلہ دیکھا ہے جس کے دیکھنے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر جاکر کھانا کھاتا ہے۔ تو کھلانے والے کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ فرمایا کہ کھانے والا تو اپنا مقدر کھاتا ہے۔ لیکن یہ جو ہمارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بہت بڑی بات ہے۔ بعد میں ہم آپس میں سوچنے لگے۔ کہ بزرگوں کی نگاہ بہت دور بین ہوتی ہیں۔ اور یہ صفت حضرت الشیخؒ میں بدرجہ اتم موجود تھی اکہ دورۂ تفسیر یا عام درس کے دوران خود طلبہ کے قیام وطعام کا بندوبست فرماتے۔

آپ کی سیرت وسوانح کے حوالے سے آپ کے ایک پرانے شاگرد حضرت مولانا عبدالودود صاحب مدظلہ مصنف "اشتراکیت کا حقیقت پسندانہ جائزہ" لکھتے ہیں کہ استاذ نا ومولانا شیخ المشائخ شاہ منصوری صاحب رحمہ اللہ کو اگر وقت کا محقق اور پندرہویں صدی کا مجدد کہا جائے تو حق بجانب ہوگا۔ کیونکہ دین اسلام کی تجدید واحیاء کے لیے انہوں نے جو جانی اور مالی تکالیف برداشت کی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ہم سنتے تھے کہ انہوں نے ابتدائی سالوں میں طلبہ کی ضروریات خورد ونوش وغیرہ پورا کرنے کے لیے اپنی پدری جائیداد فروخت کی تھی تجدید واحیائے دین میں مقامی لوگوں [illegible] تکالیف اور صعوبتیں برداشت کیں۔ جیسا کہ ابتدائی مراحل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

طلبہ کے حق میں مولانا صاحبؒ کی ایثار و محبت کا مشاہدہ خود ہم نے ۱۹۵۹ء میں دورۂ تفسیر کے دوران کیا۔ جرأت اور شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ کبھی کبھی جب دوران تفسیر بجلی فیل ہو جاتی۔ تو فرماتے کہ اے پاکستان کے سرکار، بجلی کو فیل مت کراؤ۔ قرآن عظیم کا مقابلہ چھوڑ دو۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ دورِ حاضر کی عریانی اور بیباکی سے شکایت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ معاشرہ میں مرد و زن کے اختلاط اور بے باکی کی وبا اس حد تک پھیل چکی ہے۔ کہ بازار میں ضرورت کے لیے بھی جانا دشوار ہو گیا ہے۔ لیڈی آگے اور لیڈر پیچھے ہوتا ہے جہاں بھی جاؤ آنکھ اٹھانے کی جگہ نہیں۔ اور اب تو عورتیں سینڈل مانگتی ہیں۔ تاکہ گھوڑوں کی طرح ٹپ ٹپ کرتی ہوئی پھریں۔

ہمیشہ باوضوء اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔ ایک دفعہ موضع کالو خان کے دارالعلوم میں وعظ فرما رہے تھے لوگوں کا ایک جم غفیر تھا اور قرآن کریم کی آیت کریمہ قل بفضل اللہ وبرحمتہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لوگو میں تم کو روحانی امراض سے شفایابی کے لیے دو گولیاں دیتا ہوں۔ اس کے استعمال سے آپ کو صحت یابی نصیب ہوگی۔ ایک گولی سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ اور دوسری گولی سورۃ اخلاص۔ اس سے مکمل ختم قرآن کا ثواب ملے گا۔ خیر المدارس مردان میں تقریر کے دوران صرف حٰمٓ کو موضوع بنایا۔ فرمایا۔ حٰا سے مراد حاوی العلوم میمؔ سے مراد ماحی الغموم۔ یعنی یہ قرآن پاک تمام علوم پر حاوی۔ اور تمام غموم زندگی کو دور کرتا ہے۔ ان دو حروف کی تفسیر میں تقریباً آدھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔

آخری سالوں میں باوجود ضعف و علالت کے تقریباً ایک ہزار شرکاء درس کو تفسیر پڑھاتے اللہ کریم نے اتنی ہمت اور طاقت مرحمت فرمائی تھی۔ کہ بجلی نہ ہونے کی صورت میں باآواز بلند درس دیتے۔ اور تمام طلبہ کو آپ کی آواز پہنچتی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار ہے جو کہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

باب پنجم

علمی افادات

حضرت الشیخ مرحوم کی زندگی اور حیاتِ طیبہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ انتہائی سادہ، سلیس آسان اور بامحاورہ انداز میں پڑھایا۔ اور چونکہ قرآن کی تعلیم اور ترجمہ وتفسیر ہی آپ کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس لیے ترجمہ وتفسیر قرآن کے بارے میں آپ کے افادات کا زیادہ تر حصہ اسی پر مشتمل ہوگا۔ اس سلسلے میں جب بندہ نے مخدوم حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب مفتی ومدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے رجوع کیا، جوکہ آں مرحوم کے تلمیذ خاص ہیں، تو انہوں نے کمالِ شفقت اور مہربانی سے حضرت رح کے تفسیری افادات کتاب حیاتِ شیخ القرآن کے لیے قلمبند فرمائے۔

جناب استاذ مکرم رئیس المتکلمین والمحدثین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ نوراللہ مرقدہٗ کے فرزند ارجمند عزیزم برادر محترم مخلصم مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے اصرار پر حضرت العلامہ شیخ القرآن والحدیث الاستاذ المفخم حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری نوراللہ مرقدہ کے دورس تفسیر کے چند نمونے پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں۔ فانہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

۱۵ ارشعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۷۲ء کو دورہ تفسیر کا ابتداء کرتے ہوئے فرمایا۔ دعا کیجئے کہ اوّل اللہ تعالیٰ خیر سے قرآن پاک کی ابتداء کی توفیق نصیب

فرمائیں اور ثانیاً ختم واختتام قرآن پاک کی سعادت سے نوازیں۔ پھر دعاء کو ربنا اتنا فی الدنیا الخ پر ختم کیا اور اس کے بعد درس کی ابتداء ان الفاظ سے فرمائی۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صلِّ علے سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد افضل صلوتك بعدد معلوماتك وبارك وسلم۔ پھر فرمایا کہ طلبہ یہاں ایک ضابطہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر علم کے شروع سے پہلے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے تعریف، موضوع وغرض اور چونکہ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عالمی ضوابط ومحاورات کے مطابق نازل فرمایا ہے لہٰذا یہاں بھی قرآن پاک کی تعریف، موضوع اور غرض کا جاننا ضروری ہوگا۔

قرآن کی تعریف خود قرآن نے یوں بیان کی ہے۔ کتٰبٌ انزلناہ الیك مبرك لیدبروا ایاتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔

کتابٌ میں تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک ایک عظیم الشان کتاب ہے قرآن پاک کی عظمت کے دلائل بہت ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن پاک نے تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ کردیا۔ چنانچہ اب ان پر عمل جائز نہیں۔ البتہ ایمان ان پر بھی واجب ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ شانہ، نے اس کے نزول کو اپنی طرف منسوب کیا انزلناہ اور یہ نسبت، قرآن کی عظمت کے لیے شاہد عدل ہے نان کلام الملوك ملك الکلام اور اسی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کو عام کھلا چیلنج دیا۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ۔

قرآن پاک کا قاعدہ ہے کہ اعلیٰ کو ذکر کرتا ہے اور ادنیٰ کو اسیر عطف مقدر سے عطف کردیتا ہے لہٰذا یہاں معنی یہ ہوگا۔ فاتوا بسورۃ او اٰیۃ او

جملۃ از حرف من مثلہ۔

چنانچہ قرآن پاک میں نٓ اور قٓ وغیرہ حروف آئے ہیں جن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم کے انہار جاری کر دیئے لیکن کفار کی قدرت میں یہ بات نہ تھی۔ تیسری دلیل یہاں تعریف میں الیک ہے اللہ تعالیٰ ایک عظیم ذات ہے اور مخلوق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے عظیم ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عظیم کی طرف سے جو چیز عظیم کو ملے گی وہ بھی عظیم ہو گی۔

ع شاہان یہ شاہاں مید ہند

یہ ایک قید احترازی ہے اس سے باقی کتب سماویہ خارج ہوئیں اور کتب غیر سماویہ انزلناہ کی قید سے خارج ہوئیں تھیں۔

مبارک یہ لفظ اگرچہ لازمی ہے لیکن شاہ ولی اللہ رح نے اس کو معنی متعدی میں لے کر اس کا ترجمہ برکت دھندہ سے کیا ہے یعنی برکت دینے والی کتاب اپنے سامع کو، اپنے قاری کو، اور اپنے عامل کو اور اس سربراہ مملکت کو بھی جو قرآن پاک مملکت کا نافذ العمل قانون بنائے۔

لیدبروا اٰیٰتہ لیتفکروا ولیتذکر فرمایا یہ لام۔ لام عاقبت ہے۔ یہ قرآن پاک کی جامع اور مانع تعریف ہے۔

قرآن کا موضوع توحید ہے یہ توحید باری تعالیٰ سے بحث کرتا ہے اور اس کو دلائل مختلفہ سے ثابت کرتا ہے۔

غرض فوز سعادۃ الدارین ہے۔

فرمایا! جب یہ امور آپ جان گئے تو اب ہم شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں الحمد للہ۔

(سوال) فرمایا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول کے اعتبار سے سب

سے اوّل سورۃ سورۂ اقرا ہے تو قرآن پاک میں اول نمبر پر سورۂ فاتحہ کیوں ذکر کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ فاتحہ اجمالِ قرآن ہے اور باقی قرآن اس کی تفصیل ہے اور اجمال تفصیل پر مقدم ہوتا ہے اور اس اجمال کی بناء پر سورۃ فاتحہ کا لمتن ہوئی اور باقی قرآن کی شرح اور ظاہر ہے کہ متن شرح پر مقدم ہوتا ہے

اب فاتحہ کس طرح اجمالی ہے فرمایا اس کی تفصیل صاحب التفسیر الکبیر سے سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک چار حصّوں پر منقسم ہے اور ہر ایک حصّہ کی ابتداء الحمد للہ سے ہوتی ہے۔ الحصۃ الاولیٰ الحمد للہ سے لے کر تا سورہ انعام الحصہ الثانیہ سورۂ انعام سے لے کر الیٰ سورۃ الکہف والانعام ایضاً مصدّر بالحمد للہ، الحصۃ الثالثہ سورۂ کہف سے لے کر الیٰ سورۂ سباء اور سورۂ کہف بھی اس سے مصدّر ہے الحصۃ الرابعہ سورۂ سباء سے لے کر تا والناس اور سورۂ سباء کی ابتداء بھی اسی سے ہے۔ اور قرآن کے ان چار حصّوں میں مختلف مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ حصّہ اولیٰ میں مضمون خالقیۃ اللہ کا ذکر ہے دوم میں مضمون تربیت مذکور ہے سوم میں مضمون برکت یعنی المعطی للبرکۃ ھو اللہ تعالیٰ فی المال والعیال والحال اور چہارم میں مضمون قیامت ہے بانّ الساعۃ تجیئ قطعاً اور یہی مضامین اربعہ سورۂ فاتحہ میں اجمالاً مذکور ہیں۔ چنانچہ الحمد للہ میں مضمون خالقیت کا ذکر ہے کیونکہ یہاں ذکر علم ہے اور مراد وصف مشہور ہے جو کہ خالقیت ہے قاعدہ عربیہ کے مطابق گاہ گاہ ذکر عَلَم ہوتا ہے اور مراد وصف مشہور ہوتا ہے کما فی قولھم لکل فرعون موسیٰ ای لکل مبطل محق فیکون المعنی ھھنا الحمد للہ ای الحمد للخالق فجاءَ ذکر مضمون الخالقیت اور مضمون ثانی کو رب العلمین میں ذکر کیا گیا ہے اور الرحمٰن الرحیم میں مضمون برکت کا ذکر ہے چونکہ برکت دو

قسم کی ہے۔ برکت دنیوی اور برکت اُخروی تو قسم اوّل کی طرف رحمٰن میں اور قسم ثانی کی طرف رحیم میں اشارہ ہوا اور اسی وجہ سے صوفیاء کرام اپنی دعوات میں کہتے ہیں۔ یارحمٰن الدنیا و یارحیم الاخرۃ اور مالک یوم الدین میں مضمون رابع یعنی قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ سو واضح ہوا کہ قرآن پاک کے چاروں مضامین سورۂ فاتحہ میں اجمالاً آچکے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ فاتحہ اجمال ہے اور باقی قرآن تفصیل اور فاتحہ کالمتن اور باقی قرآن کالشرح ہوا۔ اور اجمال اور متن مقدم ہوتا ہے اور تفصیل اور شرح مؤخر۔ اسی وجہ سے فاتحہ کو مقدم لایا گیا۔

ذکر الربط فیما بین اجزاء الفاتحہ

بیان سابق سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک فاتحہ کی تین آیات میں ختم ہوا اور ان آیات کے سننے اور ماننے سے عبد کو چار عقیدے حاصل ہو گئے۔

(۱) لاخالق الاھو۔

(۲) لیس المربی الاھو۔

(۳) لیس البرکۃ الامنہ۔

(۴) لیس مالک القیامۃ الاھو۔

جب یہ عقائد حاصل ہو گئے تو تعلیم اقرار لسانی کے لیے اللہ تعالیٰ بتقدیر قولوا فرماتے ہیں ایاک نعبد الخ اس طرز بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان تصدیق اور اعتقاد کا نام ہے بشرط اقرار لسانی۔ اور جب مالک یوم الدین پر قرآن ختم ہوا اور ایاک نستعین پر تکمیل ایمان ہوا تو اب یہ مقام، مقام دعا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ بتقدیر قولوا تعلیماً للدعاء فرماتے ہیں اہدنا الصراط الخ اور صراط الذین انعمت علیہم کو بدل ٹھہرانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کو اس راہ میں گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ اس راہ میں وہ اکیلے نہیں بلکہ اس راہ میں اس سے

ساتھ منعم علیہم بھی ہیں اور منعم علیہم کی تفصیل قرآن پاک میں دوسری جگہ یوں مذکور ہے
ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من
النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ وحسن اولٰئک رفیقا۔
اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم سفر یقیناً کامیاب ہے۔ چونکہ ناکامی اور خیابۃ
کا سبب اتباع طریق مغضوب علیہم اور ضالین کا ہے تو لہٰذا اللہ تعالیٰ
یہ تعلیم بھی فرماتے ہیں غیر المغضوب الخ سے کہ ان لوگوں کے طریق کے اتباع
سے محفوظ ہونے کی دعاء کرو تاکہ تمہاری کامیابی اور سعادت یقینی ہو۔ چونکہ فاتحہ
میں دعاء کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے اس کو سورۃ الدعاء بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ الصراط المستقیم میں الف
لام عہدی ہے اس سے مراد عقائد اربعہ گذشتہ اور عقیدہ کو نہ تعالیٰ فقط
معبوداً وناصراً ومعیناً (جس کی طرف ایاك نعبد وایاك نستعین میں اشارہ
آیا ہے) کا طریق ہے اور یہی طریق ہے منعم علیہم کا۔

قرآن پاک کا اسلوب یہ ہے کہ اعلیٰ کو ذکر کرتا ہے اور ادنیٰ عطفاً علی
الاعلیٰ (تقدیراً) مراد ہوتا ہے اب چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں فرق باطلہ میں اعلیٰ فرقہ یہود [1] مغضوب علیہم اور فرقہ نصاریٰ ضالین [2]
تھا لہٰذا انہی کو ذکر کیا گیا بقیہ فرق کو بہ طریق العطف (التقدیری) مراد لیا گیا ہے

---

[1] چونکہ یہود اچھی طرح جان بوجھ کر خلاف کرتے تھے اور اس میں زیادہ ناراضگی ہوا
کرتی ہے اس لیے اُن سے تعبیر مغضوب علیہم سے کی گئی ۱۲ س

[2] چونکہ یہ قوم پوری تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے خلاف کرتی تھی اس لیے ان سے
تعبیر ضالین سے کی گئی ۔ ۱۲ س

اس لیے ہم یوں ترجمہ کرتے ہیں۔

بچ کن ما یاں را از طریق فرق باطلہ

فرمایا کہ مکی سورۃ میں چار مضامین ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ توحید ۲۔ رسالۃ ۳۔ بشارۃ ۴۔ تخویف اور مدنی سورۃ میں ان مضامین کے ساتھ مضمون جہاد کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ فاتحہ میں۔ الحمد للہ میں۔ مضمون توحید کی طرف اشارہ ہے اور ایاک نعبد میں چونکہ اس طرح تقدیر ہے قل قولوا (وانا اقول ایضا) ایاک نعبد الخ تو ایاک نعبد میں باعتبار تقدیر قل کے اشارہ اجمالیہ مضمون رسالت کو ہوا اور انعمت علیہم میں مضمون رسالت کو ہوا اور انعمت علیہم میں مضمون بشارت اور غیر المغضوب الخ میں مضمون تخویف کا ذکر ہے۔

اب سنیے فاتحہ کی تفسیر:

قرآن پاک کا قاعدہ ہے کہ ہر سورت میں ایک دعویٰ ہوتا ہے کبھی سورۃ کے اوّل و ابتداء میں کبھی وسط میں اور کبھی آخر میں۔ چنانچہ یہاں دعویٰ فاتحہ کے ابتداء میں ہے۔ وھو قولہ تعالیٰ الحمد للہ یعنی تمام صفات کاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہیں اور اس کے بعد اس دعویٰ کے چار دلائل ذکر کیے ہیں۔

۱۔ رب العلمین ۲۔ الرحمٰن ۳۔ الرحیم ۴۔ مالک یوم الدین

قولہ تعم ایاک نعبد۔ فرمایا عبادۃ لغت میں غایۃ التعظیم کو کہا جاتا ہے اور اصطلاحاً "التعظیم قولاً وفعلاً ببدن اومال مع عقیدۃ التوحید واتباع الرسول حقیقۃً اوحکماً" کو کہا جاتا ہے فبقید عقیدۃ التوحید خرج تعظیم من لا یعتقد التوحید۔ فتعظیمہ لیس بعبادۃ اصطلاحاً و

بقید اتباع النبیؐ خرجت البدعات کلھا اب یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے مستحب خارج ہوتا ہے فانہ یقال لما احبہ السلف (من العلماء) فلیس فیہ اتباع النبی علیہ الصلوۃ والسلام
فرمایا کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عام مراد ہے کہ حقیقۃ ہو یا حکماً (کما نبھنا بذالک سابقاً) حقیقۃ تو ظاہر ہے اور حکماً کا مطلب یہ کہ اگر یہ فعل جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انکار نہ فرماتے۔ اور مستحب بالمعنی المذکور میں اتباع حکمی یقیناً موجود ہے فانہ علیہ السلام قال ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اور المسلمون میں الف لام عہدی ہے مراد المسلمون الکاملون ہیں۔ فرمایا نیت نماز کو زبان سے کہنا اور ترویحہ اور دعا بعد السنن مستحب بہذا المعنی کے باب سے ہیں اور اسی طرح تراویح کی بیس رکعات بھی۔

فرمایا کہ عبادات کے چار مراتب ہیں۔

۱۔ فرائض ۲۔ واجبات ۳۔ سنن ۴۔ مستحبات فرمایا کہ صاحب غفور لکھتے ہیں کہ الحمد للہ میں الف۔ لام جنسی ہے یا استغراقی اور سید زاہد ہرویؒ فرماتے ہیں کہ الف لام عہدی خارجی ہے اور معہود بہا صفات الکمال ہیں اور راجح قول سید ہرویؒ کا ہے ایک تو اس لیے کہ یہ آیت رد علی المشرکین کے لیے نازل ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنات وغیرہ کو شریک کیا کرتے تھے منزل ردا علیہم الحمد للہ ای ان عقیدتکم باطلۃ فان الصفات الکاملۃ ثابتۃ للہ تعالیٰ لا یشرک فیھا احد فاشراککم باطل اور دوم اس لیے کہ للہ میں لام۔ اور اختصاص کے لیے ہے اور اختصاص ظاہر

ہے کہ صفات کاملہ ہیں نہ کہ جنس صفات۔
سوم اس لیے کہ اصولیین کا قاعدہ ہے کہ متی امکن العہد لا یصار الی معنی اخر
قالہ صاحب نور الانوار فی مبحث العام، فالمعنی الحمد للہ ای الصفات
الکاملۃ ثابتۃ للہ تعالیٰ وبعد ذلک الی قولہ مالک یوم الدین ذکر الدلائل
الاربعۃ۔ یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دلائل اربعہ کیوں ذکر کیے گئے۔ کم یا زیادہ
کیوں نہ ذکر کیے گئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ درجہ اوسط ہے وغیرہ امور اوسطہا کیونکہ
دلیل اور شہادۃ کا ادنیٰ درجہ اثنان ہے اور زیادہ سے زیادہ درجہ جس کا ہے
بے قیامت ہیں اور اربعہ درجہ اوسط ہے کافی ہے اس لئے ہذا اسی کو اختیار کیا گیا۔
قولہ اھدنا الصراط المستقیم الخ فرمایا تعلیم دعا میں اللہ تعالیٰ نے
تمام حاجات انسانیہ میں بالخصوص ہدایۃ کو ذکر کیا۔ وجہ یہ ہے کہ اسی پر انسانیت
کا مدار ہے ہدایت کی صورت میں انسان۔ انسان ہوتا ہے ورنہ فہم کالانعام

بل ھم اضل۔
ولذا جاء فی الحدیث قال علیہ الصلوۃ والسلام لعلی رضی اللہ عنہ قل اللھم
اھدنا وسددنا کذا فی المشکوۃ۔ فرمایا والھدایۃ من اللہ تعالیٰ ایصال
المراد ومن النبی علیہ الصلوۃ والسلام ارائۃ الطریق۔

فاتحہ کی ترکیب نحوی

فرمایا الحمد مبتدا ہے، اور للہ خبر ہے اور یہ
مدعیٰ ہے اور اس کے بعد چار دلائل بطریق
توصیف مذکور ہیں للہ موصوف رب العلمین صفت اول الرحمن صفت ثانی
الرحیم صفت ثالث مالک یوم الدین صفت رابع۔
قولہ ایاک نعبد وایاک نستعین یہ جزاء ہے شرط محذوف کی تقدیر
اس طرح ہوگی اذا اعتقدتم وامنتم بالمضامین الاربعۃ والنعت سے

الاربعة المذکورة فالاٰن قولوا فی الاقـرار ایاك نعبد وایاك نستعین ای نعبدك فقط ونستعینك فقط۔

قولہ اھدنا الخ یہ بھی جزاء ہے شرط محذوف کی والتقدیر اذا تحقق الایمان وشرفہ وختم القرآن فقولوا فی الدعاء اھدنا الصراط الخ

الصراط المستقیم مبدل منہ ہے اور صراط الذین انعمت علیہم اس سے بدل ہے، اسی طرح الذین انعمت مبدل منہ ہے اور غیر المغضوب علیہم ؕاہ اس سے بدل ہے فالتقدیر صراط غیر المغضوب الخ

ولا الضالین میں واؤ عاطفہ اور لا زائدہ ہے اور یہ عطف ہے مغضوب علیہم پر۔

امین | امین اسم فعل ہے اس کا معنیٰ ہے استجب دعائی یا اللہ تعالیٰ۔ قال وروی عن کعب الاحبار ان امین اربعة احرف ویخلق اللہ تعالیٰ من کل حرف ملکا یدعو لمن قال امین۔

معنی المکیہ والمدنیہ | فرمایا فاتحہ مکی سورۃ ہے اور مکی ان سورتوں کو کہا جاتا ہے جو قبل الہجرۃ نازل ہوئیں ہوں اور جو سورۃ بعد الہجرۃ نازل ہوئی ہو اس کو مدنی کہتے ہیں۔

ذکر الربط بین الفاتحہ والبقرۃ | فرمایا کہ فاتحہ کے حق میں دو صحیح حدیثیں وارد ہیں۔ اول یہ کہ فاتحہ جیسی سورت نہ قرآن میں اور نہ توراۃ، زبور وانجیل میں نازل کی گئی ہے اور دوم یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ فاتحہ کے تین حصے ہیں حصہ اول اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ تین آیتیں ہیں الی قولہ تعالیٰ مالك یوم الدین اور دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ اور عبد کے درمیان مشترک ہے وھی ایاك نعبد وایاك نستعین فان العبادۃ

السوال علی العبد والقبول علی اللہ تعالیٰ اور تیسرا حصہ مختص بالعباد ہے
رھی اھدنا الصراط المستقیم اور حصہ ثالثہ میں تین فرقوں کا ذکر آیا ہے۔
١۔ منعم علیہم ٢۔ مغضوب علیہم ٣۔ ضالین اور ان فرقِ ثلثہ کا
ذکر سورۃ بقرہ میں علی الترتیب اور بالتفصیل آیا ہے چنانچہ الم سے لے کر
تا المفلحون تک منعم علیہم کا ذکر ہے اور ان الذین کفروا سے الی قولہ تعالیٰ
عذاب عظیم تک مغضوب علیہم کا ذکر ہے اور من الناس سے لے کر
تا ان اللہ علی کل شئی قدیر میں فرقہ ثالث ضالین کا ذکر ہے اسی وجہ سے
فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ ذکر کی گئی ہے۔

بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے
مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

تفسیری نکات اور فوائد

قرآنِ پاک کے مشکل اور مغلق مقامات آپ انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ اس انداز سے طلبہ کے ذہن نشین کراتے کہ بڑی لمبی چوڑی تقریروں سے بھی وہ مطالب حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اب یہاں پر ان کے بعض چیدہ چیدہ مقامات اور تفسیری فوائد ونکات ذکر کرتے ہیں تاکہ قرآنی علوم و معارف اور علم تفسیر کے ساتھ شغف رکھنے والوں کے لیے سنگِ میل ثابت ہوں۔

تفسیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر و ترجمہ قرآنِ پاک کے دوران آپ اکثر علامہ علی الہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمٰن کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ اور اسی کے طرز پر ہر سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی ایسی تفسیر فرماتے۔ جو کہ متعلقہ سورۃ کی محتویات پر مشتمل ہوتی۔ بطور نمونہ یہاں پر بعض سورتوں کی ابتداء میں تسمیہ کی بعض تفسیریں جو کہ البرہان فی مشکلات القرآن[1]

---

[1] تفسیر البرہان فی مشکلات القرآن حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر ہے جو کہ آپ کی حیات مستعار کے آخری ایام میں مرتب کی گئی۔ مگر بوجوہ وہ تفسیر انتہائی محنت طلب ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کے تلامذہ کے جمع کردہ نکات اور تقاریر پر توجہ دی جائے اور اس سے ایک ایسی تفسیر مرتب کی جائے جس سے حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی تفسیری خدمات پر کماحقہ روشنی پڑتی ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ماخوذ ہیں ذکر کرتے ہیں
سورۃ بقرہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر یوں فرمائی ہے۔
بسم اللہ الذی جعل حیات القلب بذبح بقرۃ النفس التی تسر الناظرین
دالۃ بالبعث بعد الموت وعلامۃ بالصانع الکامل (الرحمٰن) بارسال
الکتاب الذی لاریب فیہ (الرحیم) بجعلہ ھدی للمتقین۔
چونکہ سورۂ بقرہ میں ذبح بقرہ کا ذکر ہے۔ جس کے بارے میں قول باری تعالیٰ

(بقیہ پچھلے سے)

آں مرحوم کی یہ خواہش تھی۔ کہ آپ کے تفسیری نکات و فوائد آپ کی حیات ہی میں منصۂ شہود پر آجائیں۔ چنانچہ آں مرحوم نے اپنے فرزند ارجمند جناب مولانا نور الہادی صاحب مدظلہ سے اس تمنا کا اظہار فرمایا۔ مولانا نور الہادی صاحب نے بندہ کو حضرت کی اس خواہش اور آرزو کے بارے میں بتایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ایک بہترین کاتب چاہیئے جس کی عربی کتابت اچھی ہو۔ انہی دنوں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں گوجرانوالہ (ساد ھوکے) کے ایک کاتب حکیم منظور عالم صاحب شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ کی تقریر ترمذی شریف، حقائق السنن کی کتابت کر رہے تھے وہ تجربہ کار بھی تھے اور ان کی کتابت بھی اچھی تھی۔ چنانچہ بندہ ان کو ساتھ لے کر شاہ منصور چلے گئے۔ وہاں پر حضرت الشیخ رحمہ اللہ موجود تھے۔ انہوں نے اپنے مسودات کاتب کو دکھائے۔ چونکہ وہ مسودات کاغذ کے دونوں طرف لکھے گئے تھے اور قلم کی سیاہی بھی نیلی تھی جس کی وجہ سے وہ سیاہی جابجا پھیل چکی تھی۔ کاتب نے جب وہ دیکھا۔ تو انہوں نے کہا کہ مسودہ صاف اور ایک طرف لکھنا چاہیئے۔ حضرت الشیخ بہت خوش تھے۔ اس کے بعد حضرت الشیخ بیمار ہو گئے اور دیگر موانع کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی گئی تا آنکہ وقت موعود آپہنچا۔

ع آں قدح بشکست واں ساقی نماند

ہے۔ فاقع لونہا تسر الناظرین اور اسی طرح اوّل سورۃ میں فرمایا۔
ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدیً للمتقین تو حضرت الشیخ رح نے تسمیہ کی تفسیر میں ان تینوں کو ملحوظ رکھا۔

سورۃ انعام کی ابتدا میں فرماتے ہیں (بسم اللہ) الجامع للکمالات المستوجبۃ للمحامد من الذاتیۃ والوصفیۃ والفعلیۃ (الرحمٰن) بایجاد السموات والارض (الرحیم) بایجاد النور لذھاب الظلمات۔ چونکہ یہاں پر سورۃ کی ابتدائی آیت الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات والنور۔ اس لیے تسمیہ کی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا اور چونکہ تخلیق اور علم وغیرہ خداوند تعالیٰ کی صفات ہیں تو فرمایا کہ الجامع للکمالات المستوجبۃ للمحامد الخ

سورۃ انفال کے شروع میں تسمیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (بسم اللہ) الناصر للمجاھدین علی کل حال (الرحمٰن) بجعل الانفال للمؤمنین (الرحیم) علینا بتبلیغ الرسول والارسال۔ سورۃ انفال میں انفال کا ذکر ہے اور سورۃ کو اسی نام سے معنون بھی کیا گیا ہے اس لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں شیخ رحمہ اللہ نے انفال کا ذکر فرمایا اور پھر اسی صورت میں فرمایا۔ وما النصر الا من عند اللہ اسی وجہ سے حضرت الشیخ رح نے الناصر للمجاہدین فرمایا

سورۃ یونس میں فرمایا (بسم اللہ) الذی انزل الکتاب علی رسولہ (الرحمٰن) ببیانہ علی لسان رسولہ (الرحیم) بوعد "قدم صدق" للمومنین ابتداء سورۃ میں چونکہ ارشاد ربانی ہے تلک آیات الکتاب الحکیم۔ پھر فرمایا کہ اکان للناس عجباً ان اوحینا الیٰ رجل منھم ان انذر الناس وبشر الذین آمنوا ان لھم قدم صدق الآیہ۔ تو الرحمٰن اور الرحیم کی تفسیر میں اس آیت کے مشمولات کی طرف اشارہ ہے۔

علیٰ ھٰذا القیاس سورۃ رعد کی ابتداء میں فرمایا۔

(بسم اللّٰہ) الذی یسبح لہ کل شی حتی الرعد (الرحمٰن) یفیضان الرحمۃ بواسطۃ الرعد (الرحیم) بانزال الکتاب۔

سورۃ الحشر کے تسمیہ میں فرمایا (بسم اللّٰہ) القادر باخراج الکافرین من جزیرۃ العرب (الرحمٰن) باخراج بنی نضیر وھم الیھود من المدینۃ الی الشام (الرحیم) بالغنیمۃ للمؤمنین۔

سورۃ "المنافقون" میں فرمایا۔ (بسم اللّٰہ) الذی جعل المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (الرحمٰن) فی الدنیا بتحذیر المؤمنین من موالات المنافقین (الرحیم) بادخال المؤمنین یوم القیامہ فی الجنہ۔

سورۃ جن کے تسمیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں (بسم اللّٰہ) الذی اعطی الایمان للجن۔ (الرحمٰن) بھم فی الدنیا بالقران (الرحیم) بھم فی الآخرۃ بالجنہ

سورۃ التکویر میں فرمایا۔ (بسم اللّٰہ) القادر بتکویر الشمس (الرحمٰن) بالمؤمنین فی ذالک الیوم (الرحیم) بقرب الجنۃ للمؤمنین۔

سورۃ القدر میں فرماتے ہیں۔ (بسم اللّٰہ) الذی اراد نزول القرآن فی لیلۃ النصف من شعبان (الرحمٰن) بنزولہ فی رمضان (الرحیم) بمن عمل بہ فی عمرہٖ۔

حروفِ مقطعات

حروفِ مقطعات کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں بحوالہ تفسیر قرطبی ارقام فرماتے ہیں۔

"عامر شعبی سفیان ثوری اور ایک جماعت محدثین نے فرمایا ہے کہ ہر آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص رموز و اسرار ہوتے ہیں اسی طرح یہ حروفِ مقطعہ قرآن میں حق تعالیٰ کا راز ہے اس لیے یہ ان متشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے ہمارے لیے ان میں بحث و گفتگو بھی جائز نہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ ہمارے فائدے سے خالی نہیں اول تو ان پر ایمان لانا پھر ان کا پڑھنا ہمارے لیے ثواب عظیم ہے۔ دوسرے ان کے پڑھنے کے معنوی فوائد و برکات ہیں جو اگرچہ ہمیں معلوم نہ ہوں۔ مگر غیب سے وہ ہمیں پہنچتے ہیں۔"

پھر فرمایا۔ "وہ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ جمہور صحابہ کا ان حروف کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہیئے مگر معنی معلوم کرنے کی فکر میں پڑنا درست نہیں۔"

ابن کثیر نے بھی قرطبی وغیرہ سے نقل کر کے اس مضمون کو ترجیح دی ہے اور بعض اکابر اور علماء سے جو ان حروف کے معنی منقول ہیں۔ اس سے صرف تمثیل تنبیہ اور تسہیل مقصود ہے یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ کہ یہ ہے اس لیے اس کو غلط کہنا تحقیق علماء کے خلاف ہے [1]

اسی طرح بطور تمثیل حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ ان حروف کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں۔ سورۃ بقرہ کے ابتداء میں جو الم آیا ہے۔ اس سے مراد (مجازی) انزل اللازم علی المؤمن۔ ذالک الکتاب۔ سورۃ آل عمران میں جو الم ہے الف سے الٰہ، لام سے لازم الوجود اور میم سے المنزہ من شریک۔ سورۃ الاعراف میں المص سے انوار لامعۃ مکارم مصافیہ۔ سورۃ یونس میں الرا سے بطور تمثیل انوار لامعۃ۔ راشدہ۔ ہود میں الر سے بھی انوار۔ لامعۃ، مرشد لیے گئے ہیں۔ اور سورۃ یوسفؑ میں الر سے اعلیٰ۔ لوی اور رفیع۔ سورۃ رعد میں المر سے انوار لامعۃ۔ منزلۃ راشدۃ۔ سورۃ ابراہیمؑ میں الر سے انوار لامعۃ للرسالۃ۔ سورۃ حجر میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ سورۃ مریم میں کہیعص سورۃ طٰہٰ میں طٰہٰ سورۃ شعراء و سورۃ قصص میں طسم سورۃ نمل میں طس سورۃ عنکبوت روم لقمان اور الم سجدہ میں الم سورۃ یٰس میں یٰس سورۃ ص میں ص سورۃ شوریٰ میں حم عسق سورۃ ق میں ق سورۃ قلم میں ن اور جن سورتوں کے ابتداء میں حم آیا ہے اس سے موقعہ اور مقام کی مناسبت سے معانی مجازیہ لیے گئے ہیں۔ (حروف مقطعات میں مزید مختصر تحقیق برائے افادہ طلاب)

مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ فرماتے ہیں۔ طٰہٰ کا معنی بعض علماء نے یا رجل

---

[1] تفسیر معارف القرآن ج ۱ ص ۱۰۲

اور یٰسین کا معنی یا سید بھی کیا ہے ۔ بعض علماءِ تفسیر نے بطور تاویل کے مندرجہ ذیل معانی بھی فرماتے ہیں ۔

۱۔ سیبویہ اور خلیل نحوی اور اکثر متکلمین کا قول ہے کہ یہ حروف سورتوں کے نام ہیں جیسا کہ یٰسٓ نام ہے ۔

۲۔ مفسر قتادہ اور کلبی نے کہا ہے کہ یہ قرآنِ مجید کے نام ہیں ۔

۳۔ مفسر سعید ابن جبیر نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جیسا کہ الٓرٰ حٰمٓ نٓ سے الرحمٰن بن گیا ۔

۴۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہ حروف اسماء الٰہیہ کے اشارات ہیں جیسا کہ الٓمٓ میں الف سے مراد اللہ لام سے مراد لطیف اور میم سے مراد مالک ہے

۵۔ بعض کا قول ہے کہ یہ اسماء صفات کا اشارہ ہیں ۔ جیسا کہ فرمایا ۔ الٓمٓ سے مراد انا اللہ اعلم ہے

۶۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کے لیے اشارات ہیں ۔

۷۔ یہ پورے جملے کے اشارات ہیں ۔ جیسا کہ الٓمٓ سے مراد اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبرئیلؑ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا ۔

۸۔ ان میں ہر ایک حرف اقوام عالم کی مقررہ عمر کی طرف اشارہ ہے ۔ [1]

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے ۔ کہ جن سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے کیا گیا ہے ۔ ان میں سوائے دو سورتوں یعنی سورۃ بقرہ اور آل عمران باقی تمام سورتیں مکی ہیں ۔ کل انتیس ۲۹ سورتیں ہیں جن کے ابتداء میں یہ حروف ہیں ۔ اب یہ فواتح السور کئی قسموں میں منقسم ہیں ایک قسم بسیط جو صرف ایک حرف پر مشتمل ہو ۔

---

[1] معارف القرآن از مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ صفحہ ۸۵

مثلاً صٓ قٓ اور نٓ ۔ دوسری قسم وہ جو کہ دو حرف سے مرکب ہو۔ وہ دس سورتیں ہیں ۔ ان میں سات کے شروع میں حٰمٓ کے الفاظ ہیں ۔ باقی تین یہ ہیں ۔ طٰہٰ ، یٰسٓ اور طٰسٓ ۔ بعض سورتوں کے ابتداء میں تین حروف ہیں ۔ وہ تیرہ ۱۳ سورتیں ہیں چھ ۶ سورتوں کے ابتداء میں الٓمٓ آیا ہے اور پانچ سورتوں کے شروع میں الٓرٰ آیا ہے ۔ جب کہ دو ۲ سورتوں کا آغاز طٰسٓمٓ سے ہوا ہے ۔ اسی طرح قرآنِ کریم کی دو ۲ سورتیں چار حرفوں سے شروع ہوتی ہیں ۔ سورۃ الاعراف میں الٓمٓصٓ اور سورۃ الرعد کے ابتداء میں الٓمٓرٰ اور وہ سورتیں جن کے فواتح پانچ حروف معطعات ہیں وہ صرف ایک ہے یعنی سورۃ مریم میں کھیعص کے حروف ہیں اور حم عسق کو ہم نے ان سورتوں میں شمار کیا ہے جن کے ابتداء میں حٰمٓ ہے اب یہ چودہ حروف ہیں ، جن کی مختلف شکلیں ہیں ۔ الف لام میم حا ۔ الرا ، السین الطاء الصاد الہا ۔ الیا ، العین القاف الکاف ، النون ۔

ان کی شکلیں کچھ یوں ہیں ۔ الٓمٓ ، الٓرٰ ، الٓمٓرٰ ، المص ۔ حم ، کھیعص ، حم عسق ۔ طٰہٰ یٰس ، طٰسٓ ، طسٓمٓ ، ص ، ق اور ن ۔

ڈاکٹر صبحی صالح علوم القرآن میں فرماتے ہیں ۔ کہ جو حروف سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ۔ مکررات کو حذف کر کے ان کی تعداد چودہ ۱۴ ہے گویا ان کی تعداد حروف تہجی سے نصف ہے اس سے مفسرین یہ استدلال کرتے ہیں ، کہ حروفِ مقطعات سورتوں کے شروع میں اس لیے لائے گئے تاکہ اس بات پر دلالت کریں کہ قرآن کریم انہی حروف سے مرکب ہے جو عام طور سے معروف ہیں ۔ یہ حروفِ مقطعات سورتوں کے شروع میں الگ بھی ہیں اور مرکب صورت میں بھی لائے گئے ہیں تاکہ عربوں کو معلوم ہو کہ قرآنِ کریم انہی حروف میں نازل ہوا ہے جن سے وہ بخوبی واقف ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے نظیر لانے سے عاجز ہیں ۔

مفسرین میں سے زمخشری اور اس کی پیروی میں بیضاوی نے تفصیل کے ساتھ

اس کو بیان کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اس کے شاگرد حافظ المزی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

اصحاب رائے اس نظریہ کی پرزور تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو جو قرآن کی نظیر لانے کے بارے میں جو چیلنج کیا تھا۔ اس کی قوت دوبالا ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے صرف اس بات پر اکتفا نہیں کیا کہ سورتوں کے شروع میں جو حروف لائے گئے ہیں ان کی مجموعی تعداد حروفِ تہجی کے برابر ہے اور نہ صرف یہ کہ سورتوں کے فواتح نصف حروفِ تہجی سے مرکب ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سورتوں کے فواتح حروف کی ہر جنس میں سے نصف حروف پر مشتمل ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر جنس میں سے نصف حروف سورتوں کے فواتح میں سے لیے گئے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حروف حلق میں سے حا[۱] عین[۲] اور ھا[۳] (جبکہ حروف حلق کی تعداد چھ[۶] ہے)

۲۔ حروف مہموسہ میں سے سین[۱] حا[۲] کاف[۳] صاد[۴] ھا[۵] (جبکہ ان کی کل تعداد دس[۱۰] ہے)

۳۔ حروفِ مجہورہ میں سے ہمزہ[۱] میم[۲] لام[۳] عین[۴] را[۵] طا[۶] قاف[۷] یا[۸] نون[۹]

۴۔ حروف شفویہ صرف دو[۲] ہیں۔ ان میں سے میم ان فواتح میں شامل ہے۔

۵۔ حروف قلقلہ میں قاف اور طا۔ [۱]

یہاں پر ایک نکتہ ہے جس کو مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب معارف القرآن میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ حروفِ مقطعات جس سورۃ میں آئے ہیں وہ سورۃ کی ابتداء میں ہیں وسط یا انتہا میں نہیں۔ ان سے ایک خاص اشارہ فرمایا، وہ یہ ہے کہ جن سورتوں میں کچھ ایسے ارشادات واقعات احکام اور عقائد کا ذکر ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں ان

---

[۱] علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح ترجمہ غلام احمد حریری ص ۳۲۶

نے شروع میں حروفِ مقطعات لاکر اشارہ فرمادیا کہ جس طرح ان حروف کے معانی مراد نہ جاننے کے باوجود تمہارا ان پر ایمان ہے کہ یہ حروف کلام اللہ کا حصہ ہیں۔ اسی طرح ان سورتوں میں آنے والی بعض باتیں تمہاری ناقص فہم میں شاید نہ آسکیں۔ لیکن پھر بھی ان پر یقین اور ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں الٓمٓ آیا اور دوسری آیت میں یؤمنون بالغیب کا ارشاد فرمایا۔ سورہ بقرہ میں حیات بعد الموت اور دوسرے عقائد اور بعض واقعات کا ذکر ہے جن کا تعلق یقین کے ساتھ ہے سورۂ آلِ عمران کو بھی الٓمٓ سے شروع فرمایا۔ اور پھر اسی سورۃ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا کرنا۔ آسمان پر اٹھایا جانا بیان فرمایا۔ علیٰ ہذا القیاس حروفِ مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں یہی طرز تفسیر زیادہ قابل فہم ہے۔"

ان الانسان لفی خسر

الا الذین امنوا وعملوا الصالحات

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

والعصر

ربط الآیات والسور

قرآنی آیات اور سورتوں کے مابین ربط اور مناسبت علم تفسیر کے مہمات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ہر دور میں مفسرین حضرات نے اس مہتم بالشان کام کی طرف خصوصی توجہ دی یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر قدیماً و حدیثاً سلفاء اور خلفاء مستقل تصانیف منصہ شہود پر آچکی ہیں۔ کسی نے سورتوں کے مابین ربط پر کتاب لکھی۔ کسی نے سورتوں کے فواتح اور خواتیم کے درمیان مناسبت کو موضوعِ سخن بنایا کسی نے تمام آیات کے درمیان مناسبت تلاش کی۔ اور بعض نے رکوعات کے مابین ربط کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ گوکہ اس کے لیے کوئی خاص قاعدہ اور طریقہ موجود نہیں۔ بلکہ یہ خالص ذوق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف مفسّرین نے دو سورتوں کے مابین مختلف وجوہِ مناسبت اور طرق ربط ذکر کیے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دو آیتوں کے درمیان بظاہر ربط اور مناسبت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ مگر ماہرینِ علم تفسیر ان کے درمیان ایسا گہرا اور عمیق ربط نکالتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر صبحی صالح علوم القرآن میں رقمطراز ہیں۔

"اس ضمن میں ضابطہ رہے کہ آیتوں یا سورتوں کے درمیان ربط و تعلق

کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی ظاہر۔ البتہ آیات میں باہمی ربط کے پوشیدہ ہونے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ اس کے برخلاف سورتوں کے مابین ربط کا ظہور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بات ایک آیت سے مکمل نہیں ہوتی اس لیے موضوع زیر بحث میں دوسری آیات وارد ہو کر مضمون بے معنی کی تاکید و تفسیر پیش کرتی ہیں۔ یا دوسری آیت عطف و بیان حصر و استثناء یا اعتراض و تذییل کے طور پر وارد ہوتی ہے۔ گویا بعد میں آنے والی آیت سابقہ آیت کے نظائر و امثال کے قبیل سے ہوتی ہیں۔ مثلاً جو شخص یہ آیت تلاوت کرے گا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى

وہ لازمی طور پر یہ سوال کرے گا۔ کہ چاند کے احکام اور گھروں کو آنے کے درمیان کیا ربط و تعلق پایا جاتا ہے۔ پھر اس پر جلد ہی اس ربط کا راز و انکشاف ہو جائے گا اور وہ یوں کہ قرآنِ کریم کا مقصد اس امر کی جانب تعریض کرنا ہے۔ کہ سوال کرنے والوں کا سوال بے موقع اور بے جا ہے گویا جب انہوں نے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت و مصلحت سے متعلق پوچھا تو قرآن نے جواب دیا۔

خدا کا کوئی کام حکمت اور مصلحت سے عاری نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسا سوال ترک کر دو۔ ذرا اپنے اعمال پر ایک نگاہِ احتساب ڈالو۔ کہ تم غلط کام کرتے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتے ہو کہ یہ نیکی ہے۔ [1] ربط و مناسبت کی اہمیت

پلا اس مختصر تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

---

[1] علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح ترجمہ غلام احمد حریری ص ۲۱۶ ۔

حضرت شیخ القرآن کو اللہ تعالیٰ نے ربط[۱] بین السطور نسق بین الآیات اور

---

[۱] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر شائقین علم تفسیر کے لیے ایک طویل اقتباس دیا جائے۔ مد علماء تفسیر نے ربط و مناسبت پر اپنی اپنی مرتبہ تفاسیر میں اور علیحدہ بھی اس موضوع پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں زیادہ جامع اور مفید تفسیر بقاعی ہے جو تین ۳ جلدوں میں ہے اور مطبوعہ ہے اگرچہ نایاب ہے۔ ویسے دوسرے علماء تفسیر نے بھی ادھر توجہ فرمائی ہے۔ تفسیر بیضاوی کی شرح شیخ زادہ بھی اس موضوع میں اچھی رہنما ہے ربط و مناسبت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔ جن کا ترجمہ و تفسیر میں لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ہر سورت کی ابتداء اور اس کی انتہاء میں مناسبت۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی فرمایا۔ یؤمنون بالغیب اس سے مراد وہ عقائد ہیں جو انسانی ادراک اور فہم سے بالاتر ہیں اور سورۃ بقرہ کے آخر میں بھی اسلامی عقائد کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ الآیہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں اور رسولوں پر ایمان تو ایمان بالغیب ہی ہے

(۲) پہلی سورت کے خاتمہ اور دوسری سورت کے شروع میں مناسبت ہوگی۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں مطیع اور فرمان برداروں کی نشانی بیان فرمائی۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور سورۃ آل عمران کے شروع میں فرمایا، کچھ لوگ آیاتِ خداوندی کے منکر ہیں فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیَاتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ۔ علیٰ ھذا القیاس تمام سورتوں کی آخری آیات کا ربط دوسری سورتوں کی ابتدائی آیات سے ہے اسی طرح ہر دو آیات میں بلکہ ہر آیت کے پہلے اور دوسرے کلمے میں علیٰ ہٰذا القیاس جملہ حروف اور کلمات میں ربط و مناسبت موجود ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر میں سمجھنا نہایت ضروری ہے البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ کچھ ربط و مناسبت ایسی ہے جو آسانی سے انسان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مناسبت بین فواتحِ السّتور والخواتیم کا ایک بہترین اور عمدہ ذوق عطا فرمایا تھا۔
اور دورۂ تفسیر کے دوران اس کے دلکش اور خوبصورت مظاہر و مناظر سامنے

(بقیہ پچھلے صفحے سے) سمجھ لیتا ہے اور کچھ ایسی ہے کہ اس میں ذرا غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض دفعہ زیادہ غور و فکر کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے علمائے تفسیر نے ربط اور مناسبت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں ۱۔ ربطِ جلی۔ ۲۔ ربطِ خفی۔ ۳۔ ربطِ اخفیٰ۔ ان تینوں کی تشریح امثلہً قرآنی کے ساتھ کردی جاتی ہے تاکہ فہم قرآن کی راہیں کھل جائیں۔

۱۔ ربطِ جلی: یعنی واضح اور روشن ربط وہ ہوتا ہے کہ واضح طور پر انسان کو اس کا علم ہو جائے، جیسا کہ فرمایا۔ یامرھم بالمعروف وینھٰھم عنِ المنکرِ۔ یہ ارشادِ قرآنی سیدِ دو عالم ؐ کی شان میں وارد ہے ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اس وقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ نہی عن المنکر بھی ہو۔ ان دونوں حصوں میں ربط کو ربطِ جلی کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ ربطِ خفی: وہ ربط اور مناسب جو غور و فکر کرنے پر معلوم ہو سکے جس کیلئے سیاق و سباق اور حکم کی حکمت پر غور کرنا ضروری ہو۔ جیسا کہ اقیموا الصلوٰۃ وآتو الزکوٰۃ میں دو حکم ہیں، ایک نماز کا دوسرا زکوٰۃ کا۔ بظاہر نماز اور زکوٰۃ میں کوئی خاص مناسبت نہیں۔ وہ بدنی عبادت اور یہ مالی عبادت، لیکن غور و فکر اور نماز کی حکمت سمجھنے کے بعد بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جہاں نماز میں اور حکمتیں اور برکتیں ہیں وہاں اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور اعتقاد اس بات کا ہے کہ وہی پالنے والا ہے وہی رب ہے اگر غور کیا جائے تو ایک نمازی صرف فرض اور سنت نماز میں کم از کم بتیس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے تو ایک ماہ میں پھر ایک سال

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آتے، جس سے دل و دماغ کو ٹھنڈک ملتی تھی۔ البتہ آپ کی یہ کوشش ہوتی کہ
طلباء کی استعداد کے مطابق آسان ترین ربط ذکر فرمائے، تو عموماً اس ضمن میں

(بقیہ حاشیہ پچھلے صہ سے) میں کئی ہزار مرتبہ اقرار کرنے والے مسلمان کو بطور ابتلاء
وامتحان یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب سال میں صرف ایک دفعہ اپنے مال سے جبکہ وہ نصاب
تک پہنچ جائے۔ ۴/۱ حصہ اسی اللہ کے نام پر دے۔ جس کو سارے سال میں رب رب
کہہ کر اقرارِ ربوبیت کرتا رہا ہے گویا کہ نماز کی مصدق زکوٰۃ ہے اگر زکوٰۃ دی تو معلوم
ہوگا اور عام طور پر سب کو پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ نمازی اللہ تعالیٰ کو رب کہنے میں
سچا ہے۔ ورنہ اس کی بات کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں بہ سند صحیح آیا
ہے۔ من اقام الصلوٰۃ ولم یؤد الزکوٰۃ فلا صلوٰۃ له۔ یعنی جس نے
نماز کو قائم کیا مگر زکوٰۃ نہ دی۔ تو اس کی نماز بھی نہ ہوئی۔ (کتاب الاحوال لابی عبید صہ ۲۵۴)

۲۔ ربطِ اخفیٰ: وہ ربط جو بہت زیادہ گہرا ہو اس کے سمجھنے کیلئے کافی غور
وفکر کی ضرورت ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ علامٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُوْنَ (النحل ۱۶) اس آیت میں پہاڑوں کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ نشانیاں
ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ستاروں سے یہ راہ پاتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں
بظاہر کوئی مناسبت غور وفکر پر بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر زیادہ فکر اور تدبر سے کام
لیا جائے۔ تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں ربط و مناسبت موجود ہے جیسا کہ حضرت شاہ
ولی اللہ نے فتح الخبیر میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ یہاں اپنی اس نعمت کو بیان فرماتے
ہیں۔ جو انسانوں کو دور دراز کے سفر میں ان کی سہولت کے لیے عطا فرمائی ہے وہ یہ
ہے کہ دن کے وقت دوسرے شہروں اور دوسرے ملکوں کی طرف رہنمائی کرنے والے
تو پہاڑ ہیں کہ یہ بلند و بالا ہوتے ہیں دن کے مسافر کو اپنی منزل مقصود کا پتہ لگ
(بقیہ حاشیہ اگلے صہ پر)

آپ دو سورتوں کے آغاز اور اختتام کے درمیان لفظی مناسبت بیان کرتے۔ اس سے طلبہ کو سمجھنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی۔ اس لیے یہاں پر خصوصیت کے ساتھ آپ کے اسلوب ربط کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا کہ سورۂ بقرہ کا ربط سورۂ فاتحہ کے ساتھ کئی طرح کا ہے۔ لیکن مشہور اور عام فہم ربط یہ ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ میں فرمایا۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم اور سورۂ بقرہ میں فرمایا۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھُدیً للمتقین۔ یعنی وہ صراطِ مستقیم جس کے تم طلبگار ہو۔ وہ یہی کتاب ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صـ سے) جاتا ہے اور وہ اسی سمت چلتا ہے اور رات کے وقت سفر کرنے والے کو خصوصاً ریگستانی اور بحری مسافروں کو اپنی منزلِ مقصود کا تعین کرنا ستاروں ہی کی مدد سے ہوتا ہے اب ستاروں اور پہاڑوں کے درمیان ربط اور مناسبت معلوم ہوگئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند مثالیں اور بھی پیش کردی جائیں جن سے تدبر فی القرآن کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

ارشاد قرآنی ہے کہ عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ بھی ہے وَلَا یقتلونَ النفسَ التی حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بالحق ولا یزنون ۔ اگرچہ قتل نفس اور زنا گناہ ہونے کے اعتبار سے تو دونوں ایک نوع کے افراد ہیں۔ مگر قتل اور زنا کو اکٹھا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ تدبر فی القرآن کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زنا بھی قتلِ نفس ہے زانی اپنا نطفہ غیر محل میں ڈال کر اس نفس کو قتل کرتا ہے جو اس نطفہ سے پیدا ہونے والا ہے۔ اور زانیہ بھی اگر استقرار حمل نہ ہونے دیا یا اسقاط حمل کا ارتکاب کیا۔ تو وہ بھی قاتلہ بن گئی۔ شاید اسی لیے شادی شدہ زانی کی سزا اسلام میں سنگساری رکھی گئی ہے۔

معارف القرآن از قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ صـ ۹۰ تا ۹۲

سورۃ نساء کا سورۃ آل عمران کے ساتھ ربط کے بارے میں فرمایا۔ کہ سورۃ آل عمران کا اختتام واتقوا اللہ لعلکم تفلحون کے ساتھ ہوا ہے۔ اور سورۃ نساء کے آغاز میں یاایہا الناس اتقوا ربکم فرمایا۔ اور تقویٰ دو قسم پر ہے۔ ایک تقویٰ فی حقوق اللہ اور دوسرا التقوی فی حقوق العباد تو سورۃ نساء میں حقوق نساء یعنی ازدواجی حقوق حق مہر اور حقوق یتامیٰ اور حلال وحرام کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح مسائل میراث اور حصص کا تعین فرمایا۔ تاکہ ہر شخص اپنے ہی حصہ پر قناعت کرے اور دوسروں کی حق تلفی اور حرام کا مرتکب نہ ہو جائے۔ یہ تقویٰ فی حقوق العباد ہے۔

سورۃ انفال کا ماقبل سورۃ سورۃ اعراف کے ساتھ مناسبت یہ ہے۔ کہ سورۃ اعراف میں انبیاء سابقین کے ساتھ ان کی قوم کے سلوک کا ذکر ہے اور سورۃ انفال میں حضورؐ کے ساتھ مشرکین وکفار مکہ کے معاملہ کا بیان ہے اور دوسرا ربط یہ ہے کہ سورۃ اعراف کے آخر میں فرمایا۔ اذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ اور سورۃ انفال کے آغاز میں انما المؤمنون اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم کا ذکر ہے۔ پس دونوں کے درمیان مناسبت ذکر اللہ میں ہے۔

سورۃ رعد کا سورۃ یوسف کے ساتھ ربط یہ ہے۔ کہ سورۃ یوسف میں نفی علم غیب عن الانبیاء کا ذکر فرمایا اور قصۂ یوسفؑ بطور دلیل نقلی کے پیش کیا گیا۔ اور سورۃ رعد میں دلائلِ عقلیہ سے یہ دعویٰ ثابت کیا گیا، کہ علم غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں علم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال۔

سورۃ ابراہیم کا ماقبل سورۃ سورۃ رعد کی مناسبت کے متعلق فرمایا۔ کہ سورۃ رعد کے آخر میں ویقول الذین کفروا لست مرسلاً کا ذکر ہے۔ اور سورۃ ابراہیم کی ابتداء میں کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس

فرمایا یعنی آپؐ اللہ کے رسول ہیں، اس لیے کہ آپؐ پر وحی اتاری گئی اور جن پر اللہ کی وحی کا نزول ہوتا ہے وہ رسول ہے۔ پس کفار کا یہ کہنا لستَ مرسلاً اس کا رد آگیا۔

سورۃ حجر کا سورۃ ابراہیمؑ کے ساتھ ربط واضح ہے کہ سورۃ ابراہیم کے آخر میں فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ۔ اس سے مراد قرآنِ پاک ہے اور پھر سورۃ حجر کے آغاز پر تلک آیات الکتاب وقرآنٍ مبین فرمایا۔ اس طرح دونوں کے درمیان مناسبت اور تعلق ثابت ہے۔

سورۃ نحل کا سورۃ حجر کے ساتھ نسق و ربط کچھ یوں ہے کہ سورۃ حجر کے اختتام میں تخویفِ اخروی کی طرف توجہ دلائی گئی۔ انا کفیناک المستھزئین الذین یجعلون مع اللہ الٰھاً آخَرَ فسوف یعلمون ۔ اور سورۃ نحل کے آغاز ہی میں تخویف اخروی کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتداء اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ سے کی گئی ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نحل کے مابین ربط یہ ہے کہ سورۃ نحل میں فرمایا کہ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور سورۃ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر واقعہ مذکور ہے۔ تو حضرت الشیخ نے فرمایا۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ کَمَا صَبَرَ مُوْسٰیؑ وَنُوْحٌؑ الْمَذْکُوْرَانِ فی بنی اسرائیل۔

سورۃ کہف اور سورۃ بنی اسرائیل کے درمیان مناسبت آغاز اور اختتام میں واضح ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں فرمایا۔ قلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ الآیہ یہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل سورۃ کہف کے آغاز میں ذکر کی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ ....

سورۃ مریم اور سورۃ کہف کے درمیان بھی مناسبت اور تعلق ظاہر ہے۔

اس لیے سورہ کہف میں اصحاب کہف کا عجیب و غریب قصہ ہے۔ کہ اصحاب کہف تین سو سال سے زیادہ عرصے بعد زندہ ہو گئے اور سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کا قصہ بھی عجیب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

اسی طرح سورۂ نور کا تعلق و ربط سورۂ مؤمنون کے ساتھ یوں ہے۔ کہ سورۂ مؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والذین ھم لفروجھم حافظون۔ اور حفظ الفرج ترکِ زنا سے حاصل ہوتا ہے تو سورۃ نور میں بیان ترکِ زنا اور اس کے دواعی کا ذکر ہے۔ اور سورۂ نور میں فرمایا۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجہم۔

سورۂ شعراء کی مناسبت سورۂ فرقان کے ساتھ آغاز اور اختتام میں ہے بایں طور کہ سورۂ فرقان کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یکون لِزَاماً" اور سورۂ شعراء کی ابتداء میں فقد کذبوا فسیأتیھم اَنْبَاءُ الآیہ

سورۂ نمل کا ربط سورۂ شعراء کے ساتھ یہ ہے۔ کہ سورۂ شعراء میں حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ یہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل سورۂ نمل اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا" میں مذکور ہے۔

سورۂ عنکبوت اور سورۂ قصص کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ سورۂ قصص میں فرمایا۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ الآیہ اس نے بنی اسرائیل کو مصیبت اور بلاء میں مبتلا کیا تھا۔ اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا بِلَا اِفْتِتَانٍ یعنی بغیر ابتلاء و امتحان کے چھوڑے جائیں گے۔ تو ابتلاء اور افتتان میں دونوں میں ربط ثابت ہوا۔

سورۂ احزاب کا تعلق سورۃ السجدہ کے ساتھ یوں ہے ۔ کہ سورۃ السجدہ کے آخر میں فرمایا۔ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ۔ اور سورۃ احزاب کے آغاز میں وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ فرمایا۔ یعنی أَعْرِضْ یا مُحَمَّد مَنْ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارِ ۔ پس اعراض اور عدم اطاعت کافرین و منافقین میں دونوں سورتوں کے درمیان مناسبت پیدا ہوئی ۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ



هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ



وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ



۱۴۱۱

حضرت الشیخ رحؒ
کے
چند تفردات!

برادر عزیز مخدوم زادہ مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے شدید اصرار کی وجہ سے حضرت الاستاد العلام شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبدالہادی الشاہ منصوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند تفسیری اسباق لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ حضرت الاستاذ کی تفردات کا ذکر کروں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ (مولانا مفتی) سیف اللہ حقانی۔)

واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ قالوا اتتخذنا ھزوا ط قال اعوذ باللہ ان اکون من الجٰھلین۔ قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما ھی ط قال انہ یقول انھا بقرۃ لا فارض ولا بکر عوان بین ذالک فافعلوا ما تؤمرون قالوا ادع لنا ربک الی قولہ تعالیٰ کذالک یحی اللہ الموتی ویریکم ایتہ لعلکم تعقلون ہ

فرمایا یہ خاسرین ما لا کے قصہ کا بیان ہے۔ قولہ فارض (بوڑھی) قولہ ولا بکر (جوان) قولہ فاقع لونہا ای خالص لونہا فی الصفرۃ قولہ لا ذلول ای ذات کسب قولہ مسلمۃ ای من الاکساب قولہ قالوا الئٰن جئت بالحق ای بالتفصیل الحق۔

فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک یہودی ظلماً قتل کیا گیا تھا مگر قاتل معلوم نہ تھا اس لیے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقتول کے قاتل کے بارے میں بات کی۔ کہ اس کے قاتل کا علم ہم کو کس طرح حاصل ہو جائے گا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو قاتل کے معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا کہ کسی گائے کو ذبح کر کے اس کے بعض اجزاء سے اس مقتول کو مار دو اس پر وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتائے گا۔ فرمایا کہ یہ خاسرین مالا کا قصہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے جب قیل وقال شروع کیا تو بڑے خسارے میں پڑ گئے اور چھ روپیہ کی گائے کو چھ ہزار روپے میں لینا پڑا۔ قولہ اضربوہ ای اضربوہ البقرۃ ببعضہا ای ببعض دمہا۔ یعنی اس میت کو اس گائے کے خون کا انجکشن لگا دیں۔ فرمایا کہ یہاں تمہیں انجکشن کا ماخذ ومبدء معلوم ہوا فرمایا کیونکہ مقتول سے خون بہہ چکا تھا۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو خون دیا جائے تاکہ خارج شدہ خون وقوت اس میں دوبارہ آجائے اور وہ باذن اللہ تعالیٰ زندہ ہو جائے۔ فرمایا کہ اس لیے ذبح بقرہ کا حکم دیا گیا تھا لہٰذا اب ذبح بقرہ کا حکم کا سر معلوم ہو گیا۔

فرمایا کہ جمہور مفسرین جو یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ اس مقتول کو اس بقرہ کی زبان یا کسی اور عضو سے مارا گیا تو یہ مرجوح ہے۔ کیونکہ یہاں مقصود صرف مقتول کا احیاء نہیں تھا کیونکہ یہ تو صرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رقبہ (دم) کے ساتھ

بھی حاصل ہو سکتا جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو بغیر توسط ذبح بقرہ وغیرہ کے زندہ کر رہے تھے بلکہ احیاء مقتول کے ساتھ احیاء کے قانونی طریقہ کی تعلیم بھی مقصود تھا۔ جو کہ خون کا انجکشن کرانا ہے۔ فرمایا کہ دور حاضر میں بھی خونی انجکشن سے یہ مقصد حاصل کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ مگر یہ صرف ۲۴ گھنٹے کے اندر ممکن ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ فرمایا کہ یہاں ایک اشکال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مفسرین فرما رہے کانوا یطلبون البقرۃ الموصوفہ اربعین سنۃ۔ تو مفسرین کے اس قول کے پیش نظر انجکشن کا مذکورہ مسئلہ محل نظر ہے۔ فرمایا کہ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کے اس قول کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے کیونکہ تدفین المیت میں عجلت مطلوب ہے بلکہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے انہم کانوا یبحثون عن فن البقرہ ای فن الطبابۃ والعلاج۔ اربعین سنۃ۔ یعنی بنی اسرائیل اس واقعہ کے بعد چالیس سال تک طبابتہ وعلاج پر تحقیقی کام کر رہے تھے۔ کیونکہ اس واقعہ سے ان کو احیاء موتی کے علاج کا ایک طریقہ معلوم ہوا اس لیے پھر انہوں نے فن علاج میں وسعت پیدا کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش شروع کیا اور اس میں چالیس سال صرف کیے۔ اور چونکہ یہ کام ذبح بقرہ سے شروع ہوا اس لیے فن طبابتہ اور علاج کا نام بقرۃ ٹھہر گیا۔ فرمایا کہ لفظ بقرہ کے الفاظ میں فن طبابتہ کی طرف اشارہ موجود ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان الفاظ کے رموز و اسرار معلوم کر لیے وہ اس فن میں کمال مہارت کا حامل ہوگا۔ فرمایا کہ چونکہ اس سورۃ میں بقرہ کا ذکر آگیا ہے۔ اس لیے اس کو سورۃ البقرہ کہا جاتا ہے فرمایا کہ سورت اسماء توفیقی اور سماعی ہیں۔

۲۔ واتبعوا ما تتلوا الشیطین علی ملک سلیمن وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت الایۃ ۔ ہاروت، ماروت کون تھے نوع ملک سے تھے یا نوع انسان سے تھے ۔ اس باب میں جمہور مفسرین کی رای یہ ہے کہ یہ فرشتے تھے البتہ محققین و مفسرین اس باب میں زہرہ کے قصہ کی تغلیط کر رہے ہیں ۔ اور فرما رہے کہ یہ دو فرشتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھیجے تھے کہ یہ لوگوں کو یہ بتادیں کہ یہ سحر ہے اور یہ معجزہ ہے اور یہ نبی ہے اور یہ ساحر ہے کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں پر سحر کی ترقی کی وجہ سے معجزہ اور سحر اور نبی اور ساحر کے درمیان فرق دشوار ہوگیا تھا اور یہ فرشتے جب یہ اپنا کام سرانجام کر چکے تو واپس آسمان پر بلالیے گئے مگر حضرت الاستاذ العلام کی رای یہاں پر یہ تھی کہ ہاروت، ماروت فرشتے نہیں تھے بلکہ یہ دو آدمی تھے جو سحر میں مہارت رکھتے تھے ۔ اور ان کو ملکین مجازاً کہا گیا ہے اور علاقہ مجاز ان کے اوصاف حمیدہ ہے ۔ اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے ۔ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم یعنی مجازاً اور خداوند قدوس کا یہ ارشاد گرامی بھی ۔ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین یعنی ملکین مجازاً ۔ فرمایا کہ میری اس رای کی تائید اس حدیث سے بھی ہو رہی ہے ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقوا الدنیا والذی نفسی بیدہ انہا لاسحر من ھاروت وماروت ۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر سے بھی قال ابن عباس ھما رجلان ساحران ۔

اور اسی طرح اس کی تائید قراءۃ کسر اللام سے بھی ہوتی ہے کہ ایک قراءۃ یہاں وما انزل علی الملکین فرمایا چونکہ رجل ساحر و عامل ملک و بادشاہ ہوتا ہے ۔ اس لیے ان کو ملکین کہا گیا ۔

لہذا ان وجوہ کی بنا پر راجح یہ ہے کہ ہاروت، ماروت فرشتے نہیں تھے بلکہ من نوع الانسان تھے۔ فرمایا کہ اگر یہاں کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ جائز ہے کہ یہ فرشتے تھے اور ملکین کا اطلاق ان پر مجازاً کیا گیا ہو۔ تو ہم جواباً یہ کہیں گے کہ یہ درست نہیں کیونکہ اس کی کوئی نظیر قرآن میں موجود نہیں ہے بخلاف ماقلنا۔ کہ اس کی نظیر موجود ہے چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے ان ھذا الا ملک کریم اور دوسری جگہ میں ہے الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین اور تمہاری اس رای کی کوئی نظیر قرآن پاک میں موجود نہیں فرمایا کہ ہاروت و ماروت کے بارے میں تفاسیر میں جو زہرہ کا قصہ مذکورہ ہے وہ غلط ہے اور بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

فرمایا کہ علامہ بیضاوی نے ما انزل کو ما کفر سلیمن پر معطوف مانا ہے اور ما انزل میں ما کو ما نافیہ ٹھرایا ہے۔ اور یہ سب کچھ علامہ نے زہرہ کے قصہ سے جان چھڑانے کے لیے کیا ہے۔ فرمایا کہ مگر یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ انزال علی الملکین ثابت ہے۔ اس لیے ما انزل ما تتلو پر معطوف ہوگا اور ماما موصولہ ہوگا۔ اور قصہ زہرہ سے جان چھڑانے کا راستہ وہ ہے جو ہم نے اختیار کیا کہ ہاروت و ماروت فرشتے نہیں تھے بلکہ انسان کے نوع سے تھے۔ اور زہرہ کے قصہ کا مدار اس پر ہے کہ یہ فرشتے تھے۔ فرمایا کہ ہماری رای کے مطابق ما انزل کا معنیٰ ہوگا ما الھم۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اُستاذ کی تقریر سے اس مقام پر یہ فہم میں آرہا تھا کہ ان الکفر ھھنا اعم من الکفر حقیقۃ، والمعاصی دونہ۔

بابِ ششم

مسئلہ نسخِ آیات

حضرت الشیخ رحمہ اللہ نسخ کے منکر نہ تھے۔ البتہ متقدمین کی طرح کثرتِ وقوعِ نسخ کے قائل نہ تھے۔ اس بارے میں آپ اپنے پیر و مرشد مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے پیرو تھے۔ امام ولی اللہ دہلوی رح نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نسخ کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے متقدمین حضرات نسخ کو وسیع معنوں میں لیتے ہیں۔ ان کے ہاں مطلق تغیرِ وصف آیت نسخ ہے پس ان کے نزدیک پانچ سو سے بھی زیادہ آیات منسوخ ہیں۔ لیکن متاخرین نسخ کو محدود معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی آیت کا حکم مع التلاوۃ یا بدون التلاوۃ اٹھا دینے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس مفہوم کے پیشِ نظر بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ نہیں امام دہلوی نے ان میں سے سولہ آیات کی ایسی تشریح فرمائی۔ اور اس طرح تفسیر فرمائی کہ وہ نسخ کی زد سے بچ گئیں۔ مگر چار آیات کو شاہ صاحب رح نے بھی منسوخ تسلیم کرلیا۔ مولانا حسین علی رح نے ان چار آیات کی بھی ایسی توجیہہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا حکم بھی تاقیامت باقی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ

مفسرین کے نزدیک اس آیت کو یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الآیہ نے منسوخ کر دیا ہے کہ پہلے والدین اور اقرباء کے لیے وصیت کا حکم تھا۔ لیکن وراثت کے حصص متعین ہونے پر وہ حکم منسوخ ہوگیا ہے صاحب مدارک کا کہنا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ یہ آیت مشرک ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حکم استحبابی ہے وجوب کے لیے نہیں۔ لیکن مولانا حسین علی رحمہ اللہ اس کی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں۔ یہاں وصیت والدین اور اقربین کے لیے نہیں، بلکہ والدین اور اقربین کو ہے اور المعروف سے مراد حکم شرعی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں۔ جواہر القرآن صنا۱۸ ، صت۸۸

۲۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ۔ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ۔ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ الآیہ

(ترجمہ) اے نبی شوق دلائیں مسلمانوں کو لڑائی کا۔ اگر ہوں تم میں بیس ۲۰ شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر۔ اور اگر سو ہوں۔ تو وہ ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔

عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اس سے بعد والی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے یعنی اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ۔ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے۔ سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے۔

حضرت الشیخؒ فرماتے ہیں کہ اگر حرضِ المؤمنین علی القتال منسوخ مانا جائے تو یہ صحیح نہیں غلط ہے کیونکہ اس میں ترغیب الی الجہاد ہے جو بالاتفاق منسوخ نہیں۔ اور اگر ان یکن منکم عشرون کو منسوخ مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ جزء ہے اور جزء میں نسخ نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام میں ہوتا ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے بیس مسلمانوں پر دوسو کافروں سے جنگ کرنا فرض تھا۔ اب اس آیت سے فرضیت منسوخ ہوگئی ہے جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

شق ذالك علی المسلمین اذ فرض علیهم ان لا یفر واحد من عشرة وجاء التخفیف ۔ جواهر القرآن صـ۲۱۲ ج ۱

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا الایہ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول۔

یعنی ورثا میں یتامیٰ اور مساکین بھی ہوں تو ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے کھانے کے لیے انہیں کچھ دیا کرو۔ اور ان سے کہہ دیا کرو۔ اب ترکہ تقسیم نہیں کر رہے ہیں جب تقسیم کریں گے تم کو بھی بلا لیا جائے گا کیونکہ ترکہ میں غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم بیک وقت ممکن نہیں اس آیت میں اولوا القربیٰ سے ورثاء مراد ہیں اور والیتمیٰ و المساکین کا عطف تفسیری ہے اور فارزقوهم کا معنی فاطعموهم ہے اور اولوا القربیٰ کے بعد یتامیٰ اور مساکین کی تخصیص ان کے حقوق کی نگہداشت کے پیش نظر ہے تاکہ ان کے حقوق ضائع نہ کیے جائیں۔ اس طرح یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ جواہر القرآن صـ۲۱۲ ج ۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ

يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً الآیہ

اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات۔ اس سے بظاہر صدقہ دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔....

حضرت الشیخ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ حکم صدقہ کے بعد منافقین آنحضرت ؐ کے ساتھ بے مقصد سرگوشیاں کرنے سے رک گئے تھے اس لیے مسلمانوں پر آسانی کے لیے اس حکم کو اٹھا لیا کیونکہ اب منافقین حسب سابق سرگوشیاں کرنے سے شرماتے تھے کہ حکم صدقہ کے دوران مشورے نہیں کرتے تھے لہٰذا اب بھی نہ کریں۔ حضرت الشیخ ؒ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ حکم استحبابی تھا اور اس کا استحباب اب بھی باقی ہے اگر باہمی مشورہ سے قبل صدقہ کر لیا جائے۔ تو بہتر ہے۔

(جواہر القرآن ج ۲)

حضرت الشیخ رحمہ اللہ بھی اپنے شیخ کی طرح حتی الامکان نسخ سے اجتناب کرتے تھے اگرچہ وہ اس کے وقوع کے قائل تھے۔

نسخ کے متعلق مزید تحقیق!

محدث عصر حضرت شاہ انور شاہ کشمیری کا نقطہ نظر

امام العصر محدث کبیر حضرت علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے فرزند مولانا سید انظر شاہ مسعودی اپنے عظیم القدر والد کے سوانح حیات "نقش دوام" صہ ۲۶۱ پر ارقام فرماتے ہیں۔

قرآن کا کتنا حصہ ناسخ ہے اور کس قدر منسوخ یہ مسئلہ بھی متقدمین اور متاخرین کے ہاں نزاعی ہے متقدمین عام کا اختصاص اور خاص کو عام، کسی حکم مطلق کو مقید کرنا یا مقید کو مطلق بنانا استثناء و ترک استثناء ان سب صورتوں پر نسخ کا اطلاق کرتے

ہیں۔ اس لیے ان کے خیال میں قرآن مجید میں کثرت سے نسخ ہوا ہے۔ لیکن متاخرین کی کوشش یہ رہی کہ قرآن مجید میں نسخ کو کم سے کم کیا جائے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے کل بیس مواقع پر نسخ کا اقرار کیا ہے اور شاہ ولی اللہؒ صرف پانچ ۵ مقام پر نسخ تسلیم کرتے ہیں حضرت علامہ کشمیریؒ کا اس باب میں نقطہ نظر یہ تھا۔

قرآن مجید کے منسوخات میں کوئی چیز منسوخ ایسی نہیں ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں اس کا حکم باقی نہ رہا ہو یقیناً منسوخ بھی کسی حال میں یا کسی زمانہ میں یا کسی عمل پر کارآمد مفید مؤثر اور بارآور ہوگا۔ فرمایا کہ میں تو اس کا بھی یقین رکھتا ہوں کہ قرآنِ کریم میں ایک حرف بھی زاید نہیں ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ اس میں حرفِ مَا کو عام طور پر زاید قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً زاید نہیں ہے۔ بلکہ رسول اکرمؐ کے وجودِ اقدس میں خدا تعالیٰ نے جو احسانِ عظیم مخلوق پر فرمایا ہے۔ اس نعمت کی جلالتِ شان کو یہی حرف مَا واضح کرتا ہے اگر اس حرفِ مَا کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو نعمت کی ضخامت ہرگز بھی واضح نہیں ہوگی۔ اس لیے میرے خیال میں تو قرآن کا کوئی منسوخ بھی حقیقۃً منسوخ نہیں [1]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تحقیق

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نسخ کے متعلق اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا کے ضمن میں بعنوانِ معارف ومسائل رقمطراز ہیں۔

---

[1] نقشِ دوام صـ۲۶۱ از مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی

معارف و مسائل

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا، اس آیت میں کسی آیتِ قرآن کے منسوخ ہونے کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں سب کو جمع کر دیا ہے، نسخ کے معنے لغت میں زائل کرنے اور لکھنے کے آتے ہیں، اس پر تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے، کہ اس آیت میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے اور اسی لیے اصطلاحِ کتاب و سنت میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ دوسرا حکم یہی ہو کہ سابق حکم بالکل ختم کر دیا جائے، یا یہ ہو کہ اس کی جگہ دوسرا عمل بتلایا جائے۔

احکامِ الٰہیہ میں نسخ کی حقیقت

دنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف ہے، لیکن انسانوں کے احکام میں نسخ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا، بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا، کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا، اور آگے آنے والے واقعات و حالات کا اندازہ نہ تھا، جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا، یہ دونوں صورتیں احکامِ خداوندی میں نہیں ہو سکتیں۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا، دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دے دیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرارداد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا، اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ

اور اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی، یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اُس دن کے مناسب ہے، دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے ۔

ماہر حکیم ڈاکٹر یہ بھی کر سکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام لکھ کر دیدے کہ تین روز تک یہ دوا استعمال کرو، پھر تین روز فلاں دوا، پھر ایک ہفتہ فلاں دوا، لیکن یہ مریض کی طبیعت پر بے وجہ کا ایک بار بھی ڈالنا ہے، اس میں غلط فہمی کی وجہ سے عملی خلل کا بھی خطرہ ہے، اس لیے وہ پہلے ہی سے سب تفصیلات نہیں بتلاتا ۔

اللہ جل شانہٗ کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے، اور ہوتی رہی ہے، ہر آنے والی نبوّت اور ہر نازل ہونے والی کتاب نے پچھلی نبوت اور کتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کیے اور اسی طرح ایک ہی نبوّت وشریعت میں ایسا ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا، پھر بتقاضائے حکمتِ خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ۔

لم تكن نبوّة قط إلّا تناسخت ۔ (مسلم)

یعنی کبھی کوئی نبوّت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردّوبدل نہ کیا ہو (قرطبی)

جاہلانہ شبہات

البتہ کچھ جاہل یہودیوں نے اپنی جہالت سے احکامِ الٰہیہ کے نسخ کو دنیوی احکام کے نسخ کی پہلی دونوں صورتوں پر قیاس کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانِ طعن دراز کی اسی کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ)

مسلمانوں میں سے فرقہ معتزلہ کے بعض لوگوں نے شاید ان مخالفین کے طعن سے

بچنے کی یہ راہ نکالی کہ احکامِ الٰہیہ میں نسخ ہونے کا امکان تو ہے، کوئی امر اس امکان کے لیے مانع نہیں، لیکن پورے قرآن میں نسخ کا وقوع کہیں نہیں ہوا، نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ یہ قول ابو مسلم اصفہانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جس پر علمارِ امت نے ہمیشہ رد و نکیر فرمایا ہے تفسیر روح المعانی میں ہے۔

واتفقت اھل الشرائع	تمام اہل شرائع کا نسخ کے جواز اور
علی جواز النسخ ووقوعه	وقوع دونوں پر اتفاق ہے، صرف
وخالفت الیھود غیر	یہودیوں نے بجز عیسویہ کے امکان
العیسویة فی جوازه	نسخ کا انکار کیا ہے اور ابو مسلم
وقالوا یمتنع عقلاً وابو	اصفہانی نے وقوع کا انکار کیا
مسلم الاصفھانی وقوعه	ہے، وہ کہتا ہے کہ نسخ احکام الٰہیہ
فقال انه وان جاز عقلا	میں ممکن تو ہے مگر کہیں واقع
لکنه لم یقع۔	ہوا نہیں۔"

(روح، ص ۳۵۲ ج ۱)

اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا۔

معرفة ھٰذا الباب اکیدة	"باب نسخ کی معرفت بہت ضروری
وفائدته عظیمة لاتستغنی	ہے اور فائدہ اس کا بہت بڑا ہے
عن معرفته العلماء	اس کی معرفت سے علمار مستغنی
ولا ینکره الا الجھلة	نہیں ہوسکتے، اور جاہلوں بیوقوفوں
الاغبیاء، (قرطبی ص۵۵ ج ۱)	کے سوا اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔"

قرطبی نے اس جگہ ایک واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو کوئی آدمی وعظ کہہ رہا تھا، آپ نے لوگوں سے

پوچھا یہ کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وعظ و نصیحت کر رہا ہے، آپ نے فرمایا نہیں: یہ کوئی وعظ و نصیحت نہیں کرتا، بلکہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں سو پہچانو، پھر اس شخص کو بلوا کر پوچھا کہ کیا تم قرآن و حدیث کے ناسخ منسوخ احکام کو جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں جانتا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہماری مسجد سے نکل جاؤ، آئندہ کبھی یہاں وعظ نہ کہو۔

قرآن و سنت میں نسخ کے وجود و وقوع کے متعلق صحابہ و تابعین کے اتنے آثار و اقوال موجود ہیں جن کو نقل کرنا مشکل ہے، تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، درمنثور وغیرہ میں اسانید قویہ صحیحہ کے ساتھ بھی بہت سی روایات مذکور ہیں، اور روایاتِ ضعیفہ کا تو شمار نہیں۔

اسی لیے امت میں یہ مسئلہ ہمیشہ اجماعی رہا ہے، صرف ابو مسلم اصفہانی اور چند معتزلہ نے وقوعِ نسخ کا انکار کیا ہے، جن پر امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں شرح و بسط کے ساتھ رد کیا ہے۔

نسخ کے مفہوم میں متقدمین و متاخرین کی اصطلاحوں میں فرق

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیلِ حکم کے ہیں، اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکلیہ منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لاتے ہیں ہے جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا، اسی طرح کسی مطلق یا عام حکم میں کسی قید و شرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، اسلاف امّت نے نسخ کو اسی عام معنی میں استعمال فرمایا ہے، جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے، اور جزوی تبدیلی قید و شرط یا استثناء وغیرہ کی بھی اس میں شامل ہے، اسی لیے متقدمین حضرات کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ پانسو تک شمار کی گئی ہیں۔

حضرات متاخرین نے صرف اُس تبدیلی کا نام نسخ رکھا ہے، جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے، ظاہر ہے کہ اس اصطلاح کے مطابق آیات منسوخہ کی تعداد بہت گھٹ جائے گی، اسی کا لازمی اثر یہ تھا کہ متقدمین نے تقریباً پانسو آیات قرآنی میں نسخ ثابت کیا تھا، جس میں معمولی سی تبدیلی قید و شرط یا استثناء وغیرہ کو بھی شامل کیا تھا اور حضرات متاخرین میں علامہ سیوطیؒ نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا، ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ فرمایا ہے، جن میں کوئی تطبیق بغیر تاویل بعید کے نہیں ہو سکتی، یہ امر اس لحاظ سے مستحسن ہے کہ احکام میں اصل بقاء حکم ہے نسخ خلافِ اصل ہے اس لیے جہاں آیت کے معمول بہا ہونے کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے، اس میں بلا ضرورت نسخ ماننا درست نہیں۔

لیکن اس تقلیل کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسئلۂ نسخ اسلام یا قرآن پر کوئی عیب تھا، جس کے ازالہ کی کوشش چودہ سو برس تک چلتی رہی، آخری انکشاف حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہوا، جس میں گھٹتے گھٹتے پانچ رہ گئی، اور اب اس کا انتظار ہے کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کر کے بالکل صفر تک پہنچا دے۔

مسئلہ نسخ کی تحقیق میں ایسا رخ اختیار کرنا نہ اسلام اور قرآن کی کوئی صحیح خدمت ہے، اور نہ ایسا کرنے سے صحابہ و تابعین اور پھر چودہ سو برس کے علماء متقدمین و متاخرین کے مقالات و تحقیقات کو دھویا جا سکتا ہے، اور نہ مخالفین کی زبانِ طعن اس سے بند ہو سکتی ہے، بلکہ اس زمانے کے ملحدین کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دینا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چودہ سو برس تک تمام علماءِ امت کچھ کہتے رہے ہوں اور آخر میں اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے، معاذ اللہ! اگر یہ دروازہ کھلے گا تو قرآن اور شریعت سے امن اُٹھ جائے گا، اس کی کیا ضمانت ہے کہ آج جو کسی نے تحقیق کی وہ کل کو غلط ثابت

نہیں ہو جائے گی۔

عصرِ حاضر میں بعض علماء کی ایسی تحریریں نظر سے گذری ہیں، جنہوں نے آیت مذکورہ مَا نَنْسَخْ کو متضمن معنے شرط پر ہونے کی وجہ سے ایک قضیۂ فرضیہ مثل لَوْکَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اور لَوْکَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ قرار دے کر صرف امکانِ نسخ کی دلیل بنایا اور وقوع سے انکار کیا، حالانکہ تضمن معنی شرط اور قضیۂ شرطیہ بحرف لَوْ میں بڑا فرق ہے، اور یہ وہی استدلال ہے جو ابو مسلم اصفہانی اور معتزلہ پیش کرتے ہیں۔

لیکن صحابہ وتابعین کی تفسیریں اور پوری امت کے تراجم دیکھنے کے بعد اس کو مدلولِ قرآنی کہنا کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، صحابہ کرامؓ نے اسی آیت سے وقوعِ نسخ پر استدلال کیا ہے، اور متعدد واقعات شمار کرائے ہیں۔

(ابن کثیر، ابن جریر وغیرہ)

یہی وجہ ہے کہ امت کے متقدمین ومتاخرین میں کسی نے بھی وقوعِ نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا، خود حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تطبیق کر کے تعداد تو کم بتلائی مگر مطلقاً وقوعِ نسخ کا انکار نہیں فرمایا، ان کے بعد بھی اکابر علماءِ دیوبند بلا استثناء سبھی وقوعِ نسخ کے قائل چلے آئے ہیں، جن میں سے متعدد حضرات کی مستقل یا جزوی تفسیریں بھی موجود ہیں، کسی نے بھی نسخ کے وقوع کا مطلقاً انکار نہیں کیا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اَوْ نُنْسِهَا، یہ مشہور قراءت کے مطابق اِنْسَاء اور نسیان سے ماخوذ ہے معنی یہ ہیں کہ کبھی نسخ آیت کی یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ وہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کے ذہنوں سے بالکل بھلا دی جائے، جیسا کہ اس کی تفسیر میں کئی واقعے اس طرح کے حضرات مفسرین نے ذکر کیے ہیں، اس بھلا دینے کا مقصد

یہی ہوتا ہے کہ آئندہ اس پر عمل کرنا مقصود نہیں۔

نسخ کے متعلق بقیہ احکام کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں، اس کا اصل محل اصولِ فقہ کی کتابیں ہیں۔ [1]

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے علوم القرآن میں ناسخ و منسوخ کے متعلق ایک مستقل باب قائم کرکے انتہائی اہم اور پر مغز مضمون سپردِ قلم فرمایا ہے۔ مضمون کی افادیت اور جامعیت کے پیشِ نظر افادۂ عام کی خاطر نذرِ قارئین ہے۔

ناسخ و منسوخ

نسخ کی حقیقت علومِ قرآن میں ایک اور اہم بحث ناسخ و منسوخ کی ہے، یہ بحث بڑی پہلو دار اور طویل الذیل ہے، لیکن یہاں اس کی تمام تفصیلات بیان کرنے کے بجائے اس کے متعلق صرف بنیادی معلومات پیشِ خدمت ہیں۔ "نسخ" کے لغوی معنی ہیں "مٹانا"، "ازالہ کرنا" اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے۔

رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ

کسی حکمِ شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے، پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر اس حکم کو ختم کرکے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے، اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے، اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اسے "منسوخ" اور جو نیا حکم آتا ہے

---

[1] معارف القرآن ج ۱ ص ۲۱۲ تا ص ۲۹۶

اُسے "ناسخ" کہتے ہیں۔

نسخ کا عقلی و نقلی ثبوت | یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں "نسخ" نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر "نسخ" کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کرلیتا ہے، اُن کا یہ کہنا ہے کہ اگر احکامِ الٰہی میں ناسخ و منسوخ کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو مناسب سمجھا تھا بعد میں (معاذ اللہ) اپنی غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا جسے اصطلاح میں "بدا" کہتے ہیں۔

لیکن یہودیوں کا یہ اعتراض بہت سطحی نوعیت کا ہے، اور ذرا سا بھی غور کیا جائے تو اس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، اس لیے کہ "نسخ" کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا، بلکہ ہر زمانے میں اس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے، ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے، بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدتِ نفاذ متعین کردے اور یہ بتادے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانے کے لحاظ سے تو وہی مناسب تھا، لیکن اب حالات کی تبدیلی کی بنا پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے، جو شخص بھی سلامتِ فکر کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تبدیلی حکمتِ الٰہیہ کے عین مطابق ہے اور اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی عیب نہیں کہا جاسکتا، حکیم وہ نہیں ہے جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے، بلکہ حکیم وہ ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری کے ساتھ غور کرکے نسخہ میں اُن کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، کائنات کا سارا کارخانہ اسی اصول پر چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ سے موسموں میں تبدیلیاں

پیدا کرتا رہتا ہے، کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی برسات، کبھی خشک سالی یہ سارے تغیرات اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے عین مطابق ہے، اور اگر کوئی شخص اسے "بدا" قرار دے کر اس پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ اس سے معاذ اللہ خدا کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے کہ اس نے ایک وقت سردی کو پسند کیا تھا، بعد میں غلطی واضح ہوئی اور اس کی جگہ گرمی بھیج دی تو اسے احمق کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، بعینہ یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے کہ اسے "بدا" قرار دے کر کوئی عیب سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور حقائق سے بیگانگی ہے، چنانچہ "نسخ" صرف امتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام کی خصوصیت نہیں، بلکہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری رہا ہے، جس کی بہت سی مثالیں موجودہ بائبل میں ملتی ہیں، مثلاً بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا، اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں لیاہ اور راخیل آپس میں بہنیں تھیں، [1] لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دے دیا گیا، [2] حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا، [3] لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے، [4] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی [5] لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زناکار ہونے کے سوا اسے طلاق دینے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی گئی۔[6]

---

[1] بائبل، کتاب پیدائش ۲۹ ، ۲۳ تا ۳۰ ، [2] احبار ۱۸ ، ۱۸
[3] پیدائش ۹ : ۳ [4] احبار ۱۱ ، ۷ اور استثناء ۱۴ ، ۷
[5] استثناء ۲۴ ، ۲۱ ، [6] انجیل متی ۱۹ : ۱۵

غرض بائبل کے عہد نامۂ جدید وقدیم میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن میں کسی پرانے حکم کو نئے حکم کے ذریعے منسوخ کردیا گیا۔

نسخ کے بارے میں متقدمین اور متأخرین کی اصطلاحات کا فرق

لفظ "نسخ" کے استعمال میں علماء متقدمین اور علماء متاخرین کے درمیان اصطلاح کا ایک فرق رہا ہے، جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔

متقدّمین کی اصطلاح میں لفظ "نسخ" ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا، اور اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں "نسخ" نہیں کہلاتیں مثلاً متقدّمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی "نسخ" کے مفہوم میں داخل تھیں، چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور دوسری میں انہیں کسی خاص صورت سے مخصوص کردیا گیا ہے تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے ہیں، جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہوگیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اس کو ختم کردیا ہے،

مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ

"مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں"

اس میں "مشرک عورتوں" کا لفظ عام ہے، اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب، لیکن ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ کتاب میں سے

باعفّت عورتیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں "مشرک عورتوں" سے مراد وہ مشرک عورتیں تھیں جو اہلِ کتاب نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے عام الفاظ میں تخصیص پیدا کر دی ہے، اور بتا دیا ہے کہ ان الفاظ سے مراد مخصوص قسم کی مشرک عورتیں ہیں متقدّمین اس کو بھی "نسخ" کہتے ہیں، اور پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک "نسخ" کا مفہوم اتنا وسیع نہیں، وہ صرف اس صورت کو "نسخ" قرار دیتے ہیں، جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اُسے وہ "نسخ" نہیں کہتے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں متاخرین یہ کہتے ہیں کہ اس میں نسخ نہیں ہوا، کیونکہ اصل حکم (یعنی مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے، صرف اتنا ہوا ہے کہ دوسری آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ پہلی آیت کا مفہوم اتنا عام نہیں تھا کہ اس میں اہلِ کتاب عورتیں بھی داخل ہو جائیں، بلکہ وہ صرف غیر اہلِ کتاب کے ساتھ مخصوص تھی۔

اصطلاح۔ کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے تھے لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے [1]

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاتقان، ص ۲۲ ج ۲۔

قرآن کریم میں نسخ کی بحث

اس بات میں تو امت کے کسی فرد کا اختلاف نہیں معلوم نہیں ہے کہ شرعی احکام نسخ کا سلسلہ پچھلی امتوں کے وقت سے جاری رہا ہے، اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں، مثلاً پہلے حکم یہ تھا کہ نماز میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے، بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا گیا، اس میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے [۱]

لیکن اس میں آراء کا کچھ اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے یا نہیں؟ دوسرے الفاظ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ کیا قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت موجود ہے جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو اور اس کی تلاوت اب بھی کی جاتی ہو؟ جمہور اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہے، لیکن معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں، ابو مسلم اصفہانی کی اتباع میں بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، اور ہمارے زمانے میں اکثر تجدد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں، چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں جس سے نسخ تسلیم نہ کرنا پڑے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے، اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں ایسی کھینچ تان کرنی پڑتی ہے جو اصولِ تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔

جو حضرات قرآن کریم میں نسخ کے وجود کے قائل نہیں ہیں، دراصل اُن کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ "نسخ" ایک عیب ہے جس سے قرآن کریم کو خالی ہونا چاہیئے

---

[۱] جمال الدین القاسمیؒ، تفسیر القاسمی ص ۲۴۲ ج ۱، عیسی البابی الحلبی مصر ۱۳۷۶ھ۔

حالانکہ آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ "نسخ" کو عیب سمجھنا کتنی کوتاہ نظری کی بات ہے اہم عجیب بات یہ ہے کہ ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین عموماً یہود و نصاریٰ کی طرح اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام میں نسخ ہوا ہے بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں نسخ نہیں ہے، اب اگر "نسخ" کوئی عیب ہے تو غیر قرآنی احکام میں یہ عیب کیسے پیدا ہو گیا؟ جبکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں، اور اگر یہ کوئی عیب نہیں ہے تو جو چیز غیر قرآنی احکام میں عیب نہیں تھی وہ قرآنی احکام میں عیب کیونکر قرار دیگئی؟ کہا جاتا ہے کہ یہ بات حکمتِ الٰہی کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں کوئی آیت محض تبرک کا "تلاوت کے لیے باقی رہ جاوے اور اس پر عمل کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہو[1]

لیکن نہ جانے اس بات کو حکمتِ الٰہی کے خلاف کس بناء پر قرار دیدیا گیا ہے حالانکہ قرآن کریم کی منسوخ الحکم آیات کے باقی رہنے میں بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں مثلاً اس سے احکامِ شرعیہ میں تدریج کی حکمت واضح ہوتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا پابند بناتے ہیں کس حکیمانہ طریقے سے کام لیا ہے؟ نیز اس سے شرعی احکام کی تاریخ کا علم ہوتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کب اور کیا حکم نافذ کیا گیا تھا؟ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر پچھلی امتوں کے ان احکام کا ذکر فرمایا ہے جو امتِ محمدیہ (علی صاحبہا السلام) میں منسوخ ہو گئے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ
وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ

---

[1] قرآنِ محکم از مولانا عبدالصمد رحمانی صفحہ ۱۲۰ مجلس معارف القرآن، دیوبند ۱۳۸۶ھ

ظُهُورُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْمَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ (انعام: ۱۴۶)

"اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے، اور گائے اور بکری (کے اجزاء) میں سے ان دونوں کی چربیاں اُن پر ہم نے حرام کر دی تھیں، مگر وہ (چربی) جو اُن (دونوں) کی پشت پر یا آنتوں میں لگی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔"

ظاہر ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک منسوخ حکم کا تذکرہ اسی لیے فرمایا ہے کہ اس سے عبرت و موعظت حاصل کی جائے، اگر قرآن کریم میں بعض منسوخ الحکم آیات کی تلاوت اسی مقصد کے لیے باقی رکھی گئی ہو تو اس میں کون سی بات حکمتِ الٰہیہ کے خلاف ہے؟ پھر یہ دعویٰ کون کر سکتا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے ہر کام کی حکمت معلوم ہے؟ یا وہ ہر آیتِ قرآنی کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ اس کے نزول میں کیا کیا حکمتیں تھیں؟ اگر کسی شخص کا یہ دعویٰ درست نہیں ہو سکتا، اور یقیناً نہیں ہو سکتا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے کسی کام سے محض اس بناء پر کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم نہیں ہو سکی، جب کہ اس کام کا وقوع شرعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو،

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن کریم میں نسخ کے قائل نہیں ہیں اُن کا وہ بنیادی مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے جس پر انہوں نے اپنے نظریئے کی ساری عمارت کھڑی کی ہے، انہوں نے بعض قرآنی آیات کو دور دراز کے معانی صرف اس لیے پہنائے ہیں کہ اُن کی نظر میں "نسخ" ایک عیب ہے، جس سے وہ قرآن کریم کو خالی دیکھنا اور دکھانا چاہتے تھے، اور اگر اُن پر یہ بات واضح ہو جائے کہ نسخ کوئی عیب نہیں بلکہ حکمتِ الٰہی کا عین تقاضا ہے تو وہ ایسی آیتوں کی تفسیر وہی کریں گے جو عام طور سے کی جاتی ہے، کیونکہ ظاہر اور متبادر تفسیر وہی ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

"جس آیت کو بھی ہم منسوخ کریں گے یا بھلائیں گے، اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آئیں گے، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس آیت کو جو شخص بھی غیر جانب داری کے ساتھ خالی الذہن ہو کر پڑھے گا وہ اس سے یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآن کریم کی آیات میں نسخ کا سلسلہ خود قرآن کریم کی تصریح کے مطابق جاری رہا ہے، لیکن ابو مسلم اصفہانی اور ان کے ہمنوا جو نسخ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک عیب سمجھ کر قرآن کریم کو اس سے خالی قرار دینا چاہتے ہیں، وہ مذکورہ آیت میں دور از کار تاویلات کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایک فرضی صورت کا بیان کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم نے کسی آیت کو منسوخ کیا تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت نازل کر دیں گے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی کوئی آیت ضرور منسوخ کی جائے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد ہے۔

اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝

"اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی لڑکا ہو تو میں سب سے پہلے اس کی پرستش کروں گا۔"

منکرین نسخ کہتے ہیں کہ جس طرح یہاں ایک فرضی صورت کا بیان ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی اللہ تعالےٰ کا کوئی لڑکا ہو گا، اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں نسخ کا ذکر صرف ایک فرضی صورت کے طور پر کیا گیا ہے جس کا واقعہ میں موجود ہونا

ضروری نہیں [1]

لیکن آیت مذکورہ کی یہ تشریح ایک دور از کار تاویل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اس لیے کہ اگر قرآن کریم کی آیات میں کبھی نسخ واقع نہیں ہونا تھا تو اللہ تعالےٰ کو بطور فرض ہی سہی، اس کا ذکر فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ قرآن کریم کا یہ منصب ہرگز نہیں ہے کہ جو واقعات کبھی پیش نہ آنے والے ہوں، انہیں بلاوجہ فرض کر کر کے اُن پر کوئی حکم لگائے، رہی اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ الخ والی آیت، سو اس میں اور نسخ کی مذکورہ آیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) کسی لڑکے کی پیدائش ایک بالکل ناممکن چیز ہے، لہٰذا اس آیت کو پڑھنے والا ہر شخص فوراً یہ سمجھ لے گا کہ یہ بات محض ایک مفروضہ کے طور پر کہی گئی ہے، جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا، لیکن چونکہ اس کی اولاد نہیں ہو سکتی اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا سوال ہی نہیں ہے، اس کے برعکس "نسخ" کا وقوع خود ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک عقلی طور پر ناممکن نہیں ہے، اس لیے اُسے محض ایک فرضی صورت قرار دینے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

یہ بات مذکورہ آیت کے شانِ نزول سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، کتبِ تفسیر میں مروی ہے کہ بعض کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپؐ اپنے متبعین کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر اس کی ممانعت کر دیتے ہیں اور کوئی نیا حکم لے آتے ہیں، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، [2] اس سے

---

[1] قرآن محکم از مولانا عبدالصمد رحمانی، ص ۲۱ مجلس معارف القرآن، دیوبند۔

[2] روح المعانی، علامہ آلوسیؒ، ص ۳۵۱ ج ۱

صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں نسخ کو تسلیم کرکے اس کی حکمت بیان کی گئی ہے نسخ کا انکار نہیں کیا گیا۔

منسوخ آیاتِ قرآنی کی تعداد

جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں متقدمین کی اصطلاح میں ''اے نبیؐ) آپ کے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ ازواج) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں، خواہ آپ کو اُن کا حسن پسند آئے۔''

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے منع فرمادیا گیا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور اس کی ناسخ آیت وہ ہے جو قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں مذکورہ بالا آیت سے پہلے مذکور ہے، یعنی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ الخ

''اے نبیؐ ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ ازواج حلال کردی ہیں جنھیں آپ نے اُن کا مہر دے دیا ہو۔'' الخ

حضرت شاہ صاحبؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعہ سابقہ ممانعت منسوخ ہو گئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں نسخ یقینی نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی بڑی حد تک بے تکلف اور سادہ ہے، جو حافظ ابن جریر طبریؒ نے اختیار کی ہے یعنی یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہیں، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الخ والی آیت میں اللہ تعالےٰ نے کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اُن کے ساتھ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حلال ہے، پھر اگلی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے حلال نہیں [1]

(۴) چوتھی آیت جو حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک منسوخ ہے، سورۂ مجادلہ کی یہ آیت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

"اے ایمان والو! جب تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو تو سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو، یہ تمھارے لیے باعث خیر و طہارت ہے، پھر اگر تمھارے پاس (صدقہ کرنے کے لیے) کچھ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہ آیت اگلی آیت سے منسوخ ہو گئی۔

أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

"کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو، پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمھاری توبہ قبول کر لی تو (اب) نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔"

اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

---

[1] تفسیر ابن جریر۔

(۵) پانچویں آیت سورۂ مزمل کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا،

"اے مزمل (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں) رات کو تہجد میں کھڑے رہیے، مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا اس میں سے بھی کچھ کم کر دیجیے۔"

اس آیت میں رات کے کم از کم آدھے حصے میں تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں اگلی آیتوں نے اس میں آسانی پیدا کر کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا۔ وہ آیتیں یہ ہیں۔

عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

"اللہ کو معلوم ہے کہ تم (آئندہ) اس حکم کی پابندی نہیں کر سکو گے، اس لیے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، پس (اب) تم قرآن کا اتنا حصہ پڑھ لیا کرو جو تمہارے لیے آسان ہو۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب تو پہلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید بھی کم ہو گئی اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

یہ ہیں وہ پانچ آیتیں جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کے مطابق نسخ ہوا ہے لیکن یہ واضح رہے کہ یہ پانچ مثالیں صرف اس صورت کی ہیں جس میں ناسخ اور منسوخ دونوں قرآن کریم کے اندر موجود ہیں، اس کے علاوہ ایسی مثالیں قرآن کریم میں باتفاق بہت سی ہیں جن میں ناسخ تو قرآن کریم میں موجود ہے، لیکن منسوخ موجود نہیں، مثلاً تحویلِ قبلہ کی آیات وغیرہ۔

نتیجۂ بحث مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں میں نسخ کا وجود (معاذ اللہ) کوئی عیب نہیں ہے جس سے قرآن کریم کو خالی دکھلانے کی کوشش کی جائے، بلکہ یہ حکمتِ الٰہی کا عین تقاضا ہے، لہٰذا کسی آیت کی کسی تفسیر کو محض اس بناء پر رد نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کے مطابق قرآن میں نسخ لازم آتا ہے، بلکہ اصولِ تفسیر کے مطابق جو تفسیر راجح ہو اُسے اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں، خواہ اس میں آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہو، واللہ سبحانہ اعلم[1]

مسئلہ بدا مسئلۂ نسخ کے ضمن میں بدا کا لفظ بھی آیا ہے اس لیے مناسب ہے کہ مسئلہ بدا کی تنقیح و توضیح ہو جائے، تاکہ مسئلہ کا یہ پہلو بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ چنانچہ علامہ محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

شیعہ آیتِ مذکورہ یعنی یمحوا اللہ مایشاء ویثبت سے بدا ثابت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ آیت مذکورہ میں جس محو و اثبات کا ذکر ہے۔ اس سے بطریق بدا محو و اثبات مراد ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو عقل اور فہم دے، اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے تغیر و تبدل اور محو اور اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب، اس کے علم ازلی اور ارادہ اور مشیّت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدا سے پاک اور منزہ ہے۔ شیعوں کے اس خیال سراپا خیال کے اختلال ظاہر کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ بدا کی مختصر تشریح کی جائے۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جائز نہیں۔ اس لیے کہ بدا کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ

---

[1] علوم القرآن ص ۱۶۹ تا ص ۱۷۲ از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ایک چیز کا ارادہ فرمائے۔ پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی۔ پس ارادۂ اوّل کو فسخ کر کے دوسری چیز کا ارادہ کرے۔ تو یہ بدا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے لیے بدا جائز اور واقع ہے اور آیت مذکورہ یمحوا اللہ مایشاء ویثبت کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں۔ علمار شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ۔"ان معنی قولنا بدالہ تعالیٰ انہ ظہر لہ مالم یکن ظاھراً" یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر اور معلوم ہوتی جو پہلے ظاہر نہ ہوتی تھی۔

اہل السنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوصِ متواترہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالےٰ کے بدا کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدا کی پہلی قسم کو شیعہ اپنے عرف میں بدا در اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدا در تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بدا در تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بدا کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے چونکہ بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم اور بدا فی التکلیف بظاہر فسخ کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہدیا کہ اہل سنت بھی بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم کو جائز رکھتے ہیں اور بدا کو جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بدا فی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بدا فی الحکم میں فرق

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بدا کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم زمانہ آجائے معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا چاہے بندوں میں سے کسی کو پہلے زمانہ ہی سے حکم اول کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو اللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک میعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اس میعاد اور مدت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطاء سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اور بدا کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بدا کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں داخل ہے ورنہ پھر وہ بدا نہیں۔ تمام کتب شیعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی حقیقت یہ ہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جائے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالے ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور لا یضل ربی ولا ینسی اس کی شان ہے اس کے علم میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بدا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطا اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے نسخ میں حکم اول کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر نہ تھی بلکہ

مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بناء پر احکام میں تبدیلی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بدا کے قائل نہیں کیونکہ بدا کے معنی ہی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالےٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

بر علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

اور آیت یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت میں محو اور اثبات سے نامہائے اعمال سے حسنات اور سیئات کا محو اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع میں تغیر و تبدل مراد ہے علم الٰہی میں محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد متصلاً یہ وارد ہے وعندہٗ ام الکتاب اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور علم الٰہی میں محو اور اثبات اور تغیر و تبدل محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے مطابق اور موافق ہو رہا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور لکل اجل کتاب سے اس چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دورہ اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت چھوٹے دفتر یعنی لکل اجل کتاب کے بعد واقع ہے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹا ؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا پھر

شیعہ کس خوبی پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بدا کلام اللہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ بدا کے متعلق ہم نے بقدر ضرورت یہ مختصر کلام ہدیۂ ناظرین کیا ہے جو تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اور ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ سے ماخوذ ہے احضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں[1] کہ اللہ کا علم ازلی تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک۔ تمام کائنات اور ممکنات کو برابر اور یکساں جانتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو۔ اور بعد میں اس کو جانے۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورہ طٰہٰ میں ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی، اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک الیہ کو تو علم ما کان وما یکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہونے پر پہلے ارادہ کو فسخ کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء ثلاثہ اور مہاجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور سارے وعدے غلطی سے اول ظہور میں آئے اور بعد میں حقیقۃ الامر صحابہ کی جناب باری کو معلوم اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی اشارتاً اور کنایتہً یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ کے بارے میں مجھے بدا واقع ہو گیا۔ ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے بارہ میں قدر قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ بمقدار عظیم وکثیر بدا واقع ہوا کہ بے شمار آیتوں میں صحابہ کی مدح فرما گئے اور بعد میں

---

[1] معارف القرآن جلد ۴ ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۳ از مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوند کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے بارہ میں بدا واقع ہوا۔

بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اوّل ———— بدا فی العلم

وھوان یظھر لہ خلاف ماعلم ، یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی خدا تعالےٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقۃ الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

قسم دوم ———— بدا فی الارادہ

وھوان یظھر لہ صواب علیٰ خلاف ماارادہ . یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

قسم سوم ———— بدا فی الامر

وھوان یامر بشیٔ ثم یامر بشیٔ بعدہ ۔ یعنی بدا فی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم ایسا دیا کہ جس میں یہ غلطی نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے مطابق ہو۔

باب ہفتم

بعض آیات کے متعلق تحقیقی مباحث

* هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط (پ ۳ رکوع)

قولہ تعالیٰ منہ آیات محکمت ھن ام الکتاب واخر متشابہات

اعلم انہ جاء فی القرآن اطلاق المحکم علی جمیع القرآن فی قولہ تعالیٰ الرٰ کتابٌ احکمت آیاتہ ثُمَّ فصلت آہ وایضاً جاء اطلاق المتشابہ علی جمیع القرآن فی قولہ تعالیٰ کتابا متشابہا مثانی آہ واما المحکم والمتشابہ فی الآیۃ المذکورۃ فبمعنی واضح الدلالۃ علی المعنی نحو اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ .... فالمحکم ھنا عام شامل عند الاحناف لجمیع الاقسام الاربعۃ المذکورۃ فی اصول الفقہ من النص والظاھر والمفسر والمحکم۔ والمتشابہ ایضاً عام الشامل عندھم لجمیع الاقسام الاربعۃ من المجمل والمؤول و الخفی والمتشابہ۔ وفی وقف الآیۃ اختلاف من الصحابۃ رض والمفسرین رح فعن اکثر الصحابۃ والمفسرین ان الوقف علی لفظ اللّٰہ انہ یقرء وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ۔ ویقولون الراسخون فی العلم آمنا بہ۔ و ھذا مختار الاحناف وعند بعض الصحابۃ والمفسرین ان الوقف

على لفظ العلم وروى مجاهد عن ابن عباس رض تايئد الوقف على لفظ العلم انه قال انا ممن يعلم تاويله وهو موافق لما جاء فى الحديث ان النبى ص دعا له اللهم فقهه فى الدين وعلمه التاويل وهذا مختار الشوافع رح. ووجه الاختلاف فى الوقف مبنى على اختلاف تعريف التاويل اذ فى تعريفه اختلاف بحيث انه جاء بمعنى العلم التام بمآل الشئ هذا من خواصه تعالىٰ وبهذا المعنى جاء فى قوله تعالىٰ هل ينظرون الا تاويله والثانى جاء بمعنى التفسير وهذا عام ليس من خواصه تعالىٰ وبهذا المعنى جاء فى قوله تعالىٰ سأنبئك بتاويل مَا لَمْ تستطع عَلَيه صبراً۔ فالوقف عند الاحناف بالمعنى الاول و عند الشوافع بالمعنى الثانى. والتاويل فى قوله تعالىٰ وابتغاء تاويله با لمعنى الاول وهو ممنوع لغيره تعالىٰ ولهذا ذمهم الله تعالىٰ بالزيغ فى السياق فقال والذين فى قلوبهم زيغ الآ وجاء الزيغ فى ذم قوم آخرين فى قوله تعالىٰ فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم الآية. والازاغة ضد الهداية ۔ وكلاهما بمشية الله تعالىٰ كما ان نزول المحكم والمتشابه بمشية تعالىٰ والىٰ هذا اشارة فى قوله كلٌّ مِنْ عِندِ ربّنا۔ اى كل من المتشابه والمحكم والزيغ والايمان من عند ربنا ولما كانت الازاغة ضد الهداية وكلاهما بمشية تعالىٰ قال الراسخون فى الدعاء ربّنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا ۔ ويؤيده قوله تعالىٰ يضلّ مَنْ يشاء ويهدى من يشاء الى صراطٍ مستقيم .... واختلاف رواية ابن عباس رض مبنى على اختلاف معنى التاويل والله اعلم بالصواب (البرهان ص٥٩)

اس کے متعلق حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں بعنوان لطائف و معارف رقمطراز ہیں۔

لطائف و معارف

(۱) محکم اور متشابہ کی تفسیر میں سلف سے مختلف تعبیرات منقول ہیں۔ سب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ محکمات وہ آیتیں ہیں کہ جن کے معنی ظاہر ہوں اور اُن کی مراد معلوم اور متعین ہو خواہ نفسِ لغت کے اعتبار سے اُن کے معنی ظاہر ہوں یا شریعت کے بیان کر دینے سے اُن کی مراد متعین ہو یعنی اُن کی مراد یا تو اس لیے متعین ہے کہ لغت اور ترکیب اور سیاق و سباق کے اعتبار سے نظم قرآنی میں کوئی ابہام اور اجمال نہیں اور یا شریعت کے اعتبار سے اس کی مراد متعین ہے مثلاً لفظ صلوٰۃ اور لفظ زکوٰۃ اگرچہ لغت کے اعتبار سے دعاء اور پاکیزگی کے معنی ہیں جس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن شریعت کے بیان اور نصوص قطعیہ اور اسلام کے اصول مسلمہ اور اجماع امت سے یہ قطعاً متعین ہو چکا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے متکلم کی مراد مخصوص طریقہ پر بدنی اور مالی عبادت بجا لانا ہے شریعت کے بیان سے ان آیات کی مراد اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کوئی بدنیت سے بدنیت بھی ان کے مفہوم اور معنی میں الٹ پھیر نہیں کر سکتا ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں۔ اور متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں کہ جن کی مراد اور معنی کے معلوم اور متعین کرنے میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس واقع ہو جائے اور چونکہ اشتباہ اور تشابہ ایک امر اضافی ہے جس کے درجات اور مراتب ہیں اس لیے متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک متشابہ تو وہ ہے جس کی مراد معلوم ہونے کی نہ تو امید ہی باقی رہی ہو اور نہ اس کی مراد معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ اور امکان ہو جیسے مقطعات قرآنیہ الم، المر۔ طسم وغیرہ وغیرہ نہ لغت سے ان کے معنی معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ شریعت

نے ان کے معنی بیان کیے ہیں اور دوسری قسم متشابہ کی یہ ہے کہ آیت میں اجمال اور ابہام یا اشتراک لفظی کی وجہ سے اس کی مراد میں اشتباہ پیش آگیا ہو۔ متشابہ کے یہ معنی اصطلاحی۔ مجمل اور مؤدل کو بھی شامل ہیں۔ پس اگر آیت میں متشابہات سے پہلے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو متشابہ کی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور اگر متشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو متشابہات کے معنی اور تاویل۔ راسخین فی العلم کو بھی بقدر اپنے علم اور فہم کے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اصل کنہ اور حقیقت اور پوری کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن راسخین فی العلم۔ جب محکمات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خداداد علم اور فہم سے ان میں غور وفکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جتنی تاویل اور معنی ان پر واضح کرنا چاہتے ہیں اتنی معنی اور تاویل ان پر واضح فرما دیتے ہیں اور متشابہ کی قسم اوّل کو اصطلاح میں متشابہ حقیقی کہتے ہیں اور متشابہ کی قسم ثانی کو متشابہ اضافی کہتے ہیں۔

(۲) سلف صالحین سے آیات متشابہات کی تاویل میں دو قول منقول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ ابی بن کعب اور عائشہ صدیقہ سے مروی ہے اور اکثر سلف سے یہی منقول ہے اور ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس اور مجاہد اور ربیع بن انس وغیرہم سے منقول ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں جن سلف کا یہ قول ہے کہ متشابہات

کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اُن کی مراد متشابہ کی قسم اوّل ہے، جیسے مقطعات قرآنیہ اور جن سلف سے یہ منقول ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں اُن کی مراد متشابہ کی قسم ثانی ہے جو مجمل اور مؤول اور محتمل سب کو شامل ہے۔

(۳) ما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم الخ میں قرّاء اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف ضروری اور لازم ہے اور والراسخون فی العلم جملہ مستانفہ یعنی کلام جدید ہے ماقبل پر عطف نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور راسخین فی العلم متشابہات کی تاویل اور حقیقت کو محض اللہ پر چھوڑتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالےٰ کی مراد ہے اس پر ایمان لاتے ہیں ان کا مسلک محض تفویض و تسلیم ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف پر جائز ہے ضروری اور لازم نہیں یعنی یہ بھی جائز ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اور والراسخون فی العلم کو کلام جدید قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ الا اللہ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ والراسخون کا لفظ جلالہ پر عطف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد راسخین فی العلم بھی متشابہات کی تاویل اور معنی کو جانتے ہیں سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت کا یہی مسلک ہے۔

ابن عباس رضؓ فرمایا کرتے تھے۔

انا من الراسخین فی العلم — میں راسخین فی العلم سے ہوں اور میں

انا اعلم تاویلہ۔ — متشابہ کی تاویل کو جانتا ہوں۔

غرض یہ کہ وقف اور عطف کے بارہ میں سلف کے یہ دو قول ہیں اور

سلف کا یہ اختلاف۔ اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے جن لوگوں نے متشابہ کے پہلے معنی مراد لیے اُن کے نزدیک الا اللہ پر وقف ضروری اور لازم ہے اس لیے کہ مقطعات قرآنیہ جیسے متشابہات کی تاویل سوائے حق تعالیٰ کے کسی معلوم نہیں۔

اور جن لوگوں نے متشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے جو مجمل اور محتمل اور مؤول کو بھی شامل ہیں اُن کے نزدیک والراسخون کا عطف لفظ اللہ پر جائز ہے اس لیے کہ ایسے متشابہات کی تاویل اور معنی غور و خوض کرنے اور محکمات کی طرف رجوع کرنے سے راسخین فی العلم کو بھی بقدر اُن کے علم اور فہم ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اگرچہ اصل حقیقت اور اصل کنہ اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے مگر بقدر علم راسخین فی العلم بھی اس کی تاویل کو جانتے اور سمجھتے ہیں اور متشابہ کے دوسرے معنی لے کر یہ بھی جائز ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہونگے کہ متشابہات کی اصل تاویل اور صحیح کُنہ اور پوری حقیقت سوائے خدا تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر متشابہات کے اول معنی مراد لیے جائیں تو الا اللہ پر وانف ضروری اور لازم ہوگا اور اگر آیت میں متشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو آیت میں وقف اور عطف دونوں جائز ہیں جس نے وقف کو ضروری قرار دیا اس نے متشابہ کے پہلے معنی مراد لیے اور آیت میں وقف اور عطف کی جو دو قراءتیں آئی ہیں وہ دونوں حق اور صحیح ہیں جس قراءت میں غیر اللہ سے متشابہ کی تاویل کی نفی کی گئی ہے وہاں متشابہ کے اور معنی مراد ہیں اور جس قراءت میں غیر اللہ یعنی راسخین کے لیے متشابہات کی تاویل کے علم کو ثابت کیا گیا ہے وہاں متشابہ کے دوسرے معنی مراد ہیں رخوب سمجھ اور جس نے عطف جائز قرار دیا

انہاں نے متشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے اس لیے عرض کیا گیا کہ یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے ۔

(۴) لفظ تاویل متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۔ تفسیر ابن جریر میں جا بجا تاویل لفظ تفسیر کے معنی مستعمل ہوتا ہے ۔ اور متاخرین کی اصطلاح میں کسی قرینہ دلیل کی بنا پر ظاہر سے غیر ظاہر کی طرف پھیرنے کا نام تاویل ہے اور بلا کسی دلیل اور بلا کسی قرینہ کے ظاہر سے پھیرنے کا نام تحریف ہے لیکن تاویل کے یہ دونوں معنی اصطلاحی ہیں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور مصداق اور مال اور انجام اور نتیجہ اور حکمت اور کلام کی غرض اور غایت کے معنی مراد لیے گئے ہیں لفظ تاویل اصل میں اول سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں مثلاً ھل ینظرون الا تاویلہ یوم یأتی تاویلہ سے یوم آخرت مراد ہے جس دن وعدہ اور وعید کا مصداق ظاہر ہوگا اور جزا اور سزا کی حقیقت واضح ہوگی ۔

اور بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ میں تاویل سے خبر خداوندی کی مصداق کا ظہور مراد ہے یا عاقبت اور انجام کے معنی مراد ہیں ہر خبر کا ایک لفظی مفہوم اور مدلول ہوتا ہے اور ایک اس کا خارجی اور واقعی مصداق ہوتا ہے جو وقوع کے بعد ظاہر ہوتا ہے کما قال تعالیٰ لکل نبأ مستقر وسوف تعلمون قرآن کریم نے خبر کے اس خارجی اور وقوعی مصداق کو تاویل سے تعبیر کیا ہے ۔ بسا اوقات خبر کا لفظی مدلول اور مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور اس کا خارجی مصداق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے ۔ راسخین فی العلم اس خبر کے لفظی اور ظاہری مفہوم کو جانتے ہیں اور اس کے خارجی مصداق کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ھذا تاویل رؤیای میں تاویل سے تعبیر مراد ہے جو خواب کا مال اور انجام اور خارجی مصداق ہے اور

وزنوا بالقسطاس المستقیم ذلک خیر و احسن تاویلا" میں تاویل سے مال اور انجام کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اور ذلک تاویل مالم تسطع علیہ صبرا۔ میں تاویل سے مصداق اور خارجی حقیقت اور حکمت کے معنی مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضہ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اللھم فقھہ فی الدین	اے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے اور
وعلمہ التاویل۔	تاویل کا علم عطا فرما۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور پوشیدہ حکمت کا منکشف کرنا اور مال اور انجام کا ظاہر کرنا مراد ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں
وسلم یقول فی رکوعہ	یہ دعا پڑھا کرتے تھے سبحانک اللھم ربنا و
وسجودہ سبحانک اللھم	بحمدک اللھم اغفرلی گویا کہ آپ اس دعا کے
ربنا وبحمدک اللھم	ذریعہ سے فسبح بحمد ربک واستغفرہ کی تاویل
اغفرلی یتأول القرآن۔	ظاہر فرماتے یعنی اس آیت کا عملی مصداق

بیان فرماتے کہ آیت قرآنی میں تسبیح وتحمید اور استغفار کی تاویل یہ ہے کہ رکوع میں اس طرح تسبیح اور استغفار پڑھی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ حدیث میں تاویل سے کلام کا ظاہر سے پھیرنا مراد نہیں بلکہ اس کے خارجی مصداق کی تعیین مراد ہے۔

(۵) اس سورت میں آیات قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک محکم اور ایک متشابہ۔ اور سورہ ہود کے شروع میں یعنی کتاب احکمت آیاتہ میں

قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم بتلایا گیا۔ اور سورۂ زمر کی اس آیت۔ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا میں سارے قرآن کو متشابہ بتایا گیا۔
سوان آیات میں محکم اور متشابہ کے دوسرے معنی مراد ہیں محکم کے معنی لغت میں مضبوط اور مستحکم کے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم نظم اور معنی کے اعتبار سے نہایت مستحکم اور سراسر حق اور سراپا حکمت ہے کہیں جائے انگشت نہیں اس لیے سارے قرآن کو محکم کہا گیا اور متشابہ کے معنی لغت میں مشابہ اور ملتے جلتے کے ہیں اور چونکہ قرآن کی تمام آیتیں حسن اور خوبی اور ہدایت اور فصاحت اور بلاغت میں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں اختلاف اور تناقض سے پاک ہوتے ہیں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ اس لیے تمام قرآن کو کتابا متشابہا فرمایا۔
پس جس جگہ قرآن کی بعض آیتوں کو محکم اور بعض کو متشابہ کہا گیا وہاں محکم اور متشابہ کے اور معنی مراد ہیں اور جہاں سارے قرآن کو محکم یا متشابہ کہا گیا وہاں اور معنی مراد ہیں پس جب ہر جگہ معنی جدا جدا ہوئے تو آیات میں کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔
(۶) آیت کو راسخین فی العلم سے شروع فرمایا اور الا اولو الالباب پر ختم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں کہ جن کی عقل نفسانی خواہشوں سے زنگ آلود اور خراب نہ ہوگئی ہو جب تک عقل سے نفسانی خواہشوں کا زنگ دور نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک راسخین فی العلم میں سے نہیں۔

قال ابن ابی حاتم ثنا محمد بن عوف الحمصی ثنا نعیم بن حماد ثنا فیاض الرقی ثنا عبید اللہ بن یزید وکان قد ادرک اصحاب

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بیان کیا کہ عبید اللہ بن یزید کہ جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا یا انس بن مالک اور ابو امامہ اور ابو الدرداء کو دیکھا) وہ راوی ہیں۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم انسا وابا امامۃ وابا الدرداء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الراسخین فی العلم فقال من برت یمینہ وصدق لسانہ واستقام قلبہ ومن عف بطنہ وفرجہ فذلک من الراسخین فی العلم۔
(تفسیر ابن کثیر ص۲۰۴ ج ۲۔)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ راسخین فی العلم جن کا آیت میں ذکر ہے وہ کون لوگ ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی قسم اور نذر میں پورا ہو اور زبان کا سچا ہو اور دل اس کا جادۂ محبت ووفا پر قائم اور مستقیم ہو اور اس کا شکم اور اس کی شرمگاہ حرام اور مشتبہ سے عفیف اور پاک ہو پس ایسا شخص راسخین فی العلم میں سے ہے۔

یعنی علم میں پختہ اور ثابت قدم وہی شخص ہے جس کا حال اور قال یہ ہو کہ جو بیان کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ حال اور یہ قال انہیں لوگوں کا ہو سکتا ہے کہ جن کے دل نفسانی خواہشوں کے زنگ سے صیقل ہو چکے ہوں اور انوار وتجلیات کے عکس قبول کرنے کے لیے صاف وشفاف آئینہ بن چکے ہوں۔

اور راسخین فی العلم کے مقابل زائغین کا گروہ ہے جو نفسانی خواہشوں کی وجہ سے کج اور خراب ہو چکے ہیں، حق بات اُن کے دل میں نہیں اترتی۔

ملحد اور زندیق رافضی اور خارجی اور تمام بدعتی فرقے اس میں داخل ہیں جس طرح تمام اہل حق راسخین فی العلم میں داخل ہیں جس کا صحیح مصداق اہل سنت والجماعت ہیں کہ جو کتاب وسنت کے محکمات کو مضبوط پکڑتے ہیں اور متشابہات کو محکمات کے ساتھ ملا کر آیات کے معنی بیان کرتے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ صحابہ وتابعین کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا پس جس شخص کا علم اور فہم خلفاء راشدین اور

صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ٹکراتا ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص زائغین میں سے ہے
اس سے بچتے رہو۔

* هُوَ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الی قولہ) فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا (پ ۹ رکوع ۱۲)

وقولہ جعل منها زوجها ای من جنسها زوجها نظیرہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وقولہ جعلا لہ شرکاء یعنی جعل اولادہ لہ شرکاء کما فی التفاسیر فافہم وما فی حدیث الترمذی ضعفہ عماد الدین ناقل الحدیث من ثلثۃ اوجہ۔ احدها فی سندہ عمر ابن ابراهیم وهو ضعیف وثانیها انہ موقوف یعنی هو کلام الراوی ولا یقبل کلام الراوی وثالثها انہ مضطرب وهو لا یعمل بہ انتہی البرهان ص۱۷۴۔

اسی آیت کے ضمن میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں۔

خدا نے سب انسانوں کو آدم ؑ سے پیدا کیا۔ آدم کے انس اور سکون و قرار حاصل کرنے کے لیے اس کے اندر سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی۔ تو عورت حاملہ ہوئی۔ حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بڑھ گیا اور یہ کون جانتا تھا۔ کہ اس کے کیا چیز پوشیدہ ہے تب مرد و عورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا۔ کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرما دیں گے۔ تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب ان کی تمنا پوری کر دی۔ تو ہماری

دی ہوئی چیزیں اوروں کے حصے لگانا شروع کر دیں، مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا۔ کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر و نیاز شروع کر دی یا بچہ کی پیشانی اس کے سامنے ٹیک دی۔ یا بچہ کا نام ایسا رکھا جس سے شرک کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً عبدالعزیٰ یا عبدالشمس وغیرہ۔ غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا۔ وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع و مراتب شرک سے بالا و برتر ہے ان آیات میں حسن بصریؒ کی رائے کے موافق خاص آدمؑ و حوا کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بے شک ابتداءً ھوالذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وجعل منھا زوجھا میں بطور تمہید آدم و حوا کا ذکر تھا۔ مگر اس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے۔ اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیَاطِیْنِ۔ جن سیاروں کو مصابیح فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے مگر شخص مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق جعلالہ شرکاء میں کوئی اشکال نہیں۔ مگر اکثر سلف سے یہ منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم و حوا کا قصہ بیان فرمایا ہے کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا۔ اور فریب دے کر ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھیں۔ حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبدالحارث نام رکھا۔ حارث ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پکارا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے۔ اور ہوں بھی تو عبد کی اضافت حارث کی طرف

اس کو مستلزم نہیں کہ حارث کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے، ایک مہمان نواز آدمی کو عرب عبد الضیف کہہ دیتے ہیں۔ یعنی مہمان کا غلام۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے۔ پس اگر عبد الحارث کا یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ آدم علیہ السلام نے حقیقتہً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شانِ عصمت کے منافی ہے ہاں بچہ کا ایسا نام غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو۔ نبی معصوم کی شانِ رفیع اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنیٰ ترین ذلت کو حسنات الابرار سیات المقربین کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے جیسے یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا

فظن ان لن نقدر علیہ۔ یا فرمایا حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا۔ علی توجیہ بعض المفسرین۔ اسی طرح یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس مہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا۔ جعلا له شركاء فيما آتاهما۔ خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے گو حقیقتہً یہ شرک نہیں۔ شاید اسی لیے فقدا شرکا مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جعلا له شركاء فيما آتاهما اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم تنبیہ، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ عبد الحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے وہ تین وجہ سے معلول ہے رہے آثار وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں واللہ اعلم (تفسیر عثمانی صـ۲۲۲)

تفسیر جواہر القرآن میں بحوالہ قرطبی یہ عبارت ہے۔ وقال قوم ان هذا راجع الى جنس الآدميين والتبيين عن حال المشركين من ذرية

آدم علیہ السلام وھو الذی یعول علیہ فقولہ جعلا لہ یعنی الذکر والانثی الکافرین الخ قرطبی۔

آگے لکھتے ہیں۔ لیکن حضرت شیخ کے یہاں (یعنی مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ) نفس واحدہ سے مرد مراد ہے اور منہا سے من جنسہا مراد ہے یعنی تم سب کو اپنے اپنے باپ سے پیدا کیا۔ اور اس کا جوڑا بھی اسی کے جنس سے پیدا کیا۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ ای من جنسھا کما فی قولہ سبحانہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً ففی ابتدائیۃ۔ (روح) اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً واللہ جَعَلَ لکم من انفسکم ازواجاً (نحل ع۔۱) اور من آیتہ اَنْ خَلَقَ لکم من انفسکم اَزْوَاجاً۔ (روم ع ۲) اس طرح آیت میں آدم وحوا کا ذکر نہیں ہے بلکہ شروع سے مطلق زنا و مرد اور بیوی کا ذکر ہے۔ جواہر القرآن ص۳۹۸ ج ۱

مشہور محقق مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

غرض یہ کہ اصل مقصود مطلق مرد اور عورت کا حال بتلانا ہے۔ اس لیے محققین مفسرین کی رائے یہ ہے۔ فلما آتاھما صالحا جعلالہ شرکاء فیما آتاھما۔ میں تثنیہ کی یہ دونوں ضمیریں خاص آدم وحوا کو راجع نہیں بلکہ ان دونوں کی اولاد کے مردوں اور عورتوں کی طرف راجع ہیں، یا یوں کہو کہ ان کی نسل میں سے دو مختلف جنسوں کی طرف راجع ہیں اور تقدیر کلام الٰہی اس طرح سے ہے۔

فلما آتی اللہ آدم وحوا الولد الصالح الذی تمیناہ وطلباہ جعل کفار اولادھما ذالک مضافا الی غیر اللہ تعالیٰ۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کو فرزند صالح عطا فرمایا۔ جس کی ان دونوں نے خواہش کی تھی تو آئندہ چل کر ان کی کافر اولاد نے اس کو غیر خدا کی طرف منسوب

گیا اور اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فتعالی اللہ عما یشرکون ، صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اور یشرکان صیغہ تثنیہ کا نہیں لایا گیا، معلوم ہوا کہ خود حضرت آدم اور حوا مراد نہیں بلکہ یہ شرک کسی جماعت سے صادر ہوا ہے جو اولاد آدم سے ہے اور مسلسل شرک میں گرفتار ہیں کیونکہ عما یشرکون میں صیغہ یشرکون مضارع کا صیغہ ہے جو استمرارِ تجددی کے لیے لایا گیا ہے معاذ اللہ جس کا حضرت آدم و حوا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ معاذ اللہ اگر آیت میں حضرت آدم اور حوا کا شرک مراد ہوتا تو فتعالی عما یشرکان بصیغہ تثنیہ آتا ۔ معلوم ہوا کہ جعلا لہ شرکاء کی ضمیر تثنیہ دو جنسیں یا نوعین مختلفین کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم اور حوا کی طرف ۔ (معارف القرآن ص ۱۷۷ ج ۲) از مولانا کاندھلوی ۔

* قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ پ ۱۱ رکوع

حضرت الشیخ رحمہ اللہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ۔

فی الکلام تکرار تقدیرہ فلیفرحوا بذالک جملۃ واحدۃ و الجملۃ الثانیۃ فلیفرحوا بذالک فحذف من الاولی العامل و من الثانیۃ المعمول ۔ وقال البیہقی فضل اللہ الایمان ورحمتہ القرآن ۔ وقال الجمہور فضل اللہ القرآن ورحمتہ ان جعلنا خدامہ انتھی ۔ (البرہان ص)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بحوالہ روح المعانی فرماتے ہیں ۔ اس آیت میں مشہور قراءت کے مطابق فلیفرحوا بصیغہ غائب آیا ہے حالانکہ اس کے اصل مخاطب اس وقت کے موجودین حاضرین تھے ۔ جن کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس جگہ صیغہ خطاب کا استعمال کیا جاتا ۔ جیسا کہ بعض قراءتوں میں آیا ہے مگر مشہور قراءت میں صیغہ غائب استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یا اسلام کی رحمتِ عامہ صرف اس وقت کے حاضرین و موجودین کے لیے مخصوص نہیں تھی بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی شامل ہے۔
(معارف القرآن ج ۴ صفحہ ۵۴۱)

فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین میں سے ابن جوزیؒ نے زاد المسیر میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں۔

۱۔ فضل الله - الاسلام ورحمته القرآن - رواه ابن ابی طلحه عن ابن عباس رضؓ وبه قال قتاده الخ۔

۲۔ فضل الله القرآن ورحمته ان جعلهم من اهل القرآن رواه العوفی عن ابن عباس رضؓ وبه قال ابوسعید الخدری الخ

۳۔ فضل الله العلم ورحمته محمدؐ رواه الضحاك عن ابن عباس رضؓ۔

۴۔ فضل الله الاسلام ورحمته تزیینهٗ فی القلوب قاله ابن عمرؓ

۵۔ فضل الله القرآن ورحمته الاسلام قاله الضحاك وزید ابن اسلم الخ

۶۔ فضل الله ورحمته القرآن رواه ابن ابی نجیح عن مجاهد۔

۷۔ فضل الله القرآن ورحمته السنّة قاله خالد بن معدان۔

۸۔ فضل الله التوفیق ورحمته العصمة قاله ابن عیینه۔

اسی آیت کے متعلق جواہر القرآن کی تحقیق ملاحظہ ہو وہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد توفیقِ ایمان و اسلام مراد ہے یا دونوں سے مراد قرآن ہی ہے اسی آیت میں نہایت تاکید اور اہتمام سے قرآن کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے خوش ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی آیت کی فصاحت

وبلاغت کا کمال یہ ہے ۔ کہ لفظی تکرار کے بغیر اس میں معنوی تکرار اور تاکید موجود ہے چنانچہ یہاں تین بار اس کی تاکید ہے بفضل اللہ کا متعلق محذوف ہے اصل میں تھا بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا ۔

۲ ۔ فبذالک میں فاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ بذالک کا متعلق محذوف ہے جو بقرینہ مابعد لیفرحوا ہے ۔

۳ ۔ فلیفرحوا جملہ ہے جس کا متعلق بذالک مقدر ہے اس طرح فبذالک فلیفرحوا دو مستقل جملے ہوں گے اور اصل کلام یوں ہوگا فبذالک لیفرحوا فبذالک لیفرحوا پہلے جملہ سے فلیفرحوا اور دوسرے جملہ سے بذالک محذوف ہوگا ۔ فبذالک فلیفرحوا میں ظرف کی فعل پر تقدیم مفید حصر ہے اسی ہی کے ساتھ انہیں خوش ہو جانا چاہیئے ۔ نہ کہ دوسری کتاب یا دنیوی مال ومال سے ۔ ص ۴۷۹ ج ۲

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح اسی آیت کے ضمن میں فائدہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں ۔ "بعض اہل بدعت اس آیت سے مروجہ میلاد کے ہونے پر استدلال کرتے ہیں ۔ سو یہ بالکل مہمل ہے اس آیت کا تعلق نزول قرآن سے ہے نہ کہ محفل میلاد سے اور خوش ہونے سے جشن کرنا یا جلسہ کرنا مراد نہیں بلکہ اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر اس کی قدر کرنا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مراد ہے ۔

(معارف القرآن ص ۸۰۴ ج ۳ از مولانا کاندھلوی رح

* وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا پ ۱۲ رکوع ۱۲ ای همت بمخالطتها به وهم بها واباء بمعنی من ای هم الفرار منها وهم النجات منها وهم الخلاص منها ذهب ونجا منها لاجل البرهان وهو فتح الباب المغلقه لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰی بُرْهَانَ

ربّہ جزاءہ محذوف ھو لاخذتہ کما ھوالظاھر والمراد من عدم انفتاح الباب سبب لاخذہ ۔ البرھان ص ۲۲۹

اس آیت کے متعلق تفسیر جواہر القرآن میں آیا ہے ۔

زلیخا چونکہ بُرے کام کا ارادہ کر چکی تھی اس لیے اس کے ارادے کو لام اور قد تاکید کے دو حرفوں کے ساتھ بیان کیا گیا ۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے فعل بد کا ارادہ ہی نہیں کیا ۔ کیونکہ انہوں نے عظمتِ خداوندی کا نشان دیکھ لیا تھا اس لیے اس کے ارادے کو برہان پر متعلق فرمایا ۔ یعنی زلیخا تو ارادہ کر چکی تھی اور اگر یوسفؑ بھی برہانِ رب نہ دیکھتے ۔ تو ارادہ کر لیتے ۔ امام ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں اس میں تقدیم و تاخیر ہے ۔ لولا ان رأی برھان ربہ شرط مؤخر ہے اور ھمّ بھا جزا ، مقدم ہے ۔ جواہر القرآن ج ۲ ص ۵۲۵ ۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں ۔

معارف و مسائل

پچھلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا عظیم ابتلاء و امتحان مذکور تھا کہ عزیز مصر کی عورت نے گھر کے دروازے بند کر کے ان کو گناہ کی طرف بلانے کی کوشش کی ، اور اپنی طرف راغب کرنے اور مبتلا کرنے کے سارے ہی اسباب جمع کر دیئے ، مگر رب العزت نے اس نوجوان صالح کو ایسے شدید ابتلاء میں ثابت قدم رکھا ، اس کی مزید تفصیل اس آیت میں ہے کہ زلیخا تو گناہ کے خیال میں لگی ہوئی تھی ہی ، یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی انسانی فطرت کے تقاضے سے کچھ کچھ غیر اختیاری میلان پیدا ہونے لگا ، مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت میں اپنی حجت و برہان یوسف علیہ السلام کے سامنے کر دی ، جس کی وجہ سے وہ غیر اختیاری میلان آگے بڑھنے کے بجائے بالکل ختم ہو گیا ، اور وہ پیچھا چھڑا کر بھاگے ۔

اس آیت میں لفظ ہَمّ بمعنی خیال زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ، اور یہ معلوم ہے کہ زلیخا کا ہمّ یعنی خیال گناہ کا تھا ، اس سے یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی ایسے ہی خیال کا وہم ہو سکتا تھا ، اور یہ باجماعِ امت شانِ نبوت و رسالت کے خلاف ہے کیونکہ جمہور امت اس پر متفق ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں ، کبیرہ گناہ تو نہ قصداً ہو سکتا ہے نہ سہو و خطاء کی راہ سے ہو سکتا ہے ، البتہ صغیرہ گناہ سہو و خطاء کے طور پر سرزد ہو جانے کا امکان ہے ، مگر اس پر بھی انبیاء علیہم السّلام کو قائم نہیں رہنے دیا جاتا ، بلکہ متنبّہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا ہے (مسامرہ)

اور یہ مسئلہ عصمت قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے علاوہ عقلاً بھی اس لیے ضروری ہے کہ اگر انبیاء علیہم السّلام سے گناہ سرزد ہو جانے کا امکان و احتمال رہے تو ان کے لائے ہوئے دین اور وحی پر اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا ، اور ان کی بعثت اور ان پر کتاب نازل کرنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو ہر گناہ سے معصوم رکھا ہے ۔

اس لیے اجمالی طور پر یہ تو متعین ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو خیال پیدا ہوا وہ گناہ کے درجہ کا خیال نہ تھا ، تفصیل اس کی یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ ہَمّ دو معنی کے لیے بولا جاتا ہے ، ایک کسی کام کا قصد و ارادہ اور عزم کر لینا دوسرے معنی دل میں وسوسہ اور غیر اختیاری خیال پیدا ہو جانا ، پہلی صورت گناہ میں داخل اور قابلِ مواخذہ ہے ، ہاں اگر قصد و ارادہ کے بعد خالص اللہ تعالیٰ کے خوف سے کوئی شخص اس گناہ کو باختیار خود چھوڑ دے تو حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کی جگہ اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی درج فرما دیتے ہیں ، اور دوسری

صورت کہ محض وسوسہ اور غیر اختیاری خیال آ جائے، اور فعل کا ارادہ بالکل نہ ہو جیسے گرمی کے روزہ میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعی میلان غیر اختیاری سب کو ہو جاتا ہے حالانکہ روزہ میں پینے کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا، اس قسم کا خیال نہ انسان کے اختیار میں ہے نہ اس پر کوئی مواخذہ اور گناہ ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے گناہ کے وسوسہ اور خیال کو معاف کر دیا ہے جب کہ وہ اس پر عمل نہ کرے (قرطبی) اور صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جب کسی نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ کرنے سے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اور جب وہ یہ نیک عمل کرے تو دس نیکیاں لکھو، اور اگر بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے مگر پھر خدا کے خوف سے چھوڑ دے تو گناہ کے بجائے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اور اگر وہ گناہ کر ہی گذرے تو صرف ایک ہی گناہ لکھو (ابن کثیر)

تفسیر قرطبی میں لفظ ہَمّ کا ان دونوں معنی کے لیے استعمالِ عرب کے محاورات اور اشعار کی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آیت میں لفظ ہَمّ زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کے لیے بولا گیا، مگر ان دونوں کے ہَمّ یعنی خیال میں بڑا فرق ہے، پہلا گناہ میں داخل ہے اور دوسرا غیر اختیاری وسوسہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو گناہ میں داخل نہیں قرآن کریم کا اسلوبِ بیان بھی خود اس پر شاہد ہے، کیونکہ دونوں کا ہم و خیال اگر ایک ہی طرح کا ہوتا تو اس جگہ بصیغہ تثنیہ وَلَقَدْ هَمَّا کہہ دیا جاتا، جو مختصر بھی تھا، اس کو چھوڑ کر دونوں کے ہم و خیال کا بیان الگ الگ فرمایا هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا اور زلیخا کے ہم و خیال کے ساتھ تاکید کے الفاظ لَقَدْ کا اضافہ کیا، یوسف علیہ السلام

کے ہم کے ساتھ لام اور قد کی تاکید نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعبیر خاص کے ذریعے یہی جتلانا ہے کہ زلیخا کا ہم کسی اور طرح کا تھا اور یوسف علیہ السلام کا دوسری طرح کا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ابتلاء پیش آیا تو فرشتوں نے اللہ جل شانہ سے عرض کی کہ آپ کا یہ مخلص بندہ گناہ کے خیال میں ہے، حالانکہ وہ اس کے وبال کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انتظار کرو، اگر وہ یہ گناہ کرلے تو جیسا کیا ہے وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دو، اور اگر وہ اس کو چھوڑ دے تو گناہ کی بجائے اس کے نامۂ اعمال میں نیکی درج کرو کیونکہ اس نے صرف میرے خوف سے اپنی خواہش کو چھوڑا ہے (جو بہت بڑی نیکی ہے) (قرطبی)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو خیال یا میلان پیدا ہوا وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجہ میں تھا، جو گناہ میں داخل نہیں، پھر اس وسوسہ کے خلاف عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور زیادہ بلند ہو گیا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ جو بعد میں مذکور ہے وہ اصل میں مقدم ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو بھی خیال پیدا ہو جاتا اگر اللہ کی حجت و برہان کو نہ دیکھ لیتے، لیکن برہانِ رب کو دیکھنے کی وجہ سے وہ اس ہم اور خیال سے بھی بچ گئے، مضمون یہ بھی درست ہے مگر بعض حضرات نے اس تقدیم و تاخیر کو قواعد زبان کے خلاف قرار دیا ہے، اور اس لحاظ سے بھی پہلی ہی تفسیر راجح ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی شانِ تقویٰ و طہارت اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے، کہ طبعی اور بشری تقاضہ کے باوجود وہ گناہ سے محفوظ رہے۔

اس کے بعد جو یہ ارشاد فرمایا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ اس کی جزا محذوف ہے، اور معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اپنے رب کی برہان اور حجت کو نہ دیکھتے تو اس خیال میں مبتلا رہتے مگر برہانِ رب دیکھ لینے کی وجہ سے وہ غیر اختیاری خیال اور وسوسہ بھی قلب سے نکل گیا۔

قرآن کریم نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ وہ برہانِ ربّی جو یوسف علیہ السلام کے سامنے آئی، کیا چیز تھی؟ اسی لیے اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رض، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرین رحؒ، حسن بصریؒ وغیرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح ان کے سامنے کردی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے ان کو متنبہ کر رہے ہیں، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیز مصر کی صورت ان کے سامنے کردی گئی، بعض نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی نظر چھت کی طرف اٹھی تو اس میں یہ آیت قرآن لکھی ہوئی دیکھی لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا "یعنی زنا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور قہر خداوندی کا سبب اور معاشرہ کے لیے بہت برا راستہ ہے"۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ زلیخا کے مکان میں ایک بُت تھا، اس نے اس بُت پر پردہ ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے، اس کے سامنے گناہ کرنے کی جرأت نہیں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا معبود اس سے زیادہ حیاء کا مستحق ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت اور معرفتِ الٰہیہ خود ہی برہانِ رب تھی۔

امام تفسیر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد جو بات فرمائی ہے وہ سب اہل تحقیق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور بے غبار ہے، وہ یہ ہے

رجتنی بات قرآن کریم نے بتلادی ہے صرف اسی پر اکتفا رکیا جائے یعنی یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے وسوسہ ان کے دل سے جاتا رہا، اس چیز کی تعیین میں وہ سب احتمال ہو سکتے ہیں جو حضرات مفسرین نے ذکر کیے ہیں۔ لیکن قطعی طور پر کسی کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ (ابن کثیر)

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○

یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہ برہان اس لیے دکھائی کہ ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹادیں، برائی سے مراد صغیرہ گناہ اور بے حیائی سے کبیرہ گناہ ہے (مظہری)

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ برائی اور بے حیائی کو یوسف علیہ السلام سے ہٹادینے کا ذکر فرمایا ہے، یوسف علیہ السلام کو برائی اور بیحیائی سے ہٹانا نہیں فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اپنی شان نبوت کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی ہٹے ہوئے تھے، مگر برائی اور بے حیائی نے اُن کو گھیر لیا تھا ہم نے اس کے جال کو توڑ دیا، قرآن کریم کے یہ الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں کہ یوسف علیہ السلام کسی ادنیٰ گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوئے۔ (معارف القرآن ص۴۱ تا ۵۰ ج ۵)

* ولقد آتيناك سبعاً من المثاني والقرآن العظيم۔ پ۱۴ رکوع
اى تفصيلاً يعني انعمنا عليك بالقرآن اجمالاً وتفصيلاً
يعني اٰتيناك سبعاً من المثانى وهو الفاتحة واٰتيناك القرآن العظيم اى مفصلاً..... وسميت الفاتحة مثانى لانها مكررة فى النزول فى المكة مرة و فى المدينة مرة۔ البرهان ص۲۵۳

سبعاً من المثانی سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اور القرآن العظیم کا عطف تفسیری ہے اور اس سے بھی سورۃ فاتحہ مراد ہے ۔ جیسا کہ ایک مرفوع حدیث

میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ رب العالمین ھی السبع من المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔ اخرجہ البخاری (روح ج ۱۴ صـ ۷۹)

یعنی ہم نے آپ پر سورۃ فاتحہ جیسا عظیم الشان انعام فرمایا ہے اس لیے آپ کافروں کی دنیوی ٹھاٹ کی طرح توجہ نہ دیں۔ یا عطف تفسیر کے لیے ہے اور القرآن العظیم سے قرآن مجید مراد ہے۔ جواہر القرآن ج ۲ صـ

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

سبع مثانی کے مصداق میں اختلاف ہے صحیح اور راجح یہ ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دھرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریمؐ نے سورۃ فاتحہ کو فرمایا۔ کہ یہ ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے، جو مجھ کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سورت کو قرآن عظیم بڑا قرآن فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے۔ جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہیئے قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے یوں مثانی کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ (زمر رکوع ۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے مثانی کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ سبع مثانی اور قرآن عظیم کا مصداق ہی سورت فاتحہ ہے۔ (تفسیر عثمانی صـ ۳۵۲)

حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے سورۃ فاتحہ کو اجمالی قرآن اور القرآن العظیم کو تفصیلی قرآن سے تعبیر کیا۔ اور علاوہ ازیں مثانی میں ایک دوسری توجیہہ کیطرف

بھی اشارہ فرمایا۔ کہ سورۃ کی تنزیل دو دفعہ واقعہ ہوئی ۔

* فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ پ۱۷ رکوع

ای لن نقضی علیه بالعقوبة ۔ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے یہاں پر یہ تفسیر مختار کی ہے اس کے متعلق تفسیر جواہر القرآن ج ۲ ص ۷۲۲ میں آیا ہے کہ نَقْدِرُ یہاں قدرت سے نہیں قدر[1] سے ہے ۔ جس کے معنی قضا یا تنگی کرنے کے ہیں ۔ یعنی یونس علیہ السلام قبل نزول امر ہجرت کر کے چلے گئے اور ان کا خیال تھا۔ کہ اس فعل پر ان کو سزا دینے کا ہم کوئی فیصلہ نہیں کریں گے یا ہم اس پر کسی قسم کی تنگی نہیں کریں گے ۔ ای لن نقضی علیه العقوبة ۔ قاله ابن عباسؓ فی روایة عنه وقیل معناه ان لن نضیق علیه الحبس (خازن ج ۴ ص ۲۵۸) فظن ان لن نقدر علیه ای لن نضیق علیه وهو کقوله تعالیٰ الله یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ای یضیق ومن قدر علیه رزقه ای ضیق (کبیر ج ۴ ص ۱۸۵)

حضرت الشیخ رح اسی تفسیر کی تعلیل میں فرماتے ہیں ۔ اذا داه التبلیغ ۔ اور یہاں پر صیغہ جمع ظلمات ذکر کیا گیا ۔ تو اس کے متعلق حضرت الشیخ رح نے فرمایا کہ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہاں پر تین ظلمات اور تاریکیاں تھیں ۔

---

[1] اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرۃ امیر معاویہؓ کے مابین ومکالمہ دلچسپی سے خالی نہیں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرۃ عبداللہ بن عباسؓ حضرۃ امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لائے تو حضرۃ امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ مجھے رات امواج قرآنی نے گھیر لیا ہے اور اب میں اس میں غرق ہو گیا ہوں میرے لیے خلاصی کی صورت بغیر آپ کے ممکن نہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کیسے ؟ اس نے کہا کہ۔ یظن نبی الله یونس ان لن یقدر علیه ؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ۔ هٰذا من القدر لا من القدرة ۔ (تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ملاحظہ ہو۔ فانی)

ظلمۃ اللیل۔ ظلمۃ البحر اور ظلمۃ بطن الحوت

اور اسی آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ یعنی یہ خیال کر لیا۔ کہ ہم اس حرکت پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے۔ یعنی ایسی طرح نکل کر بھاگا۔ جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے۔ کہ اب ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا۔ یہ مطلب نہیں۔ کہ معاذ اللہ حضرت یونسؑ فی الواقع ایسا سمجھتے تھے ایسا خیال تو ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے اور اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ ان کی جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کر لیتے ہیں۔ تفسیر عثمانی ص۴۲۹

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ایک اور احتمال بھی ذکر کرتے ہیں۔ کہ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ لفظ قدر بمعنی تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی قضا اور فیصلہ دینے کے ہیں۔ معنی یہ ہوں گے کہ حضرت یونسؑ کو یہ گمان ہو گیا کہ اس معاملہ میں مجھ پر کوئی گرفت اور مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ حضرت قتادہؓ مجاہد اور فراء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص۲۲۴)

* وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ من ابتدائیۃ مِنْ رَّسُوْلٍ زایدۃ لتاکید النفی وَلَا نَبِيٍّ عطفہ علی رسول وھو یقتضی المغایرۃ بینھما کما ھو شائع و سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الانبیاء فقال ماۃ الف واربعۃ وعشرون الفا وقال الرسل منھم ثلاث ماۃ وثلاثۃ عشر اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْٓ أُمْنِيَّتِهٖ والجملۃ صفۃ لما قبل فی امنیتہ ای اثناء قراء تہ الوساوس فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ من الوساوس ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ

آیٰتِہٖ فِیْ قُلُوْبِ السامعین۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ والشیطان بعضہ الیٰ بعض زخرف القول غرورا ویوسوس فی الصلوٰۃ وغیرھا۔

اسی آیت کی تفسیر میں جواہر القرآن میں آیا ہے۔

یہ مشرکین کے نہ ماننے کی وجہ ہے جب اللہ کا پیغمبرؐ کلام اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اس وقت شیطان سننے والوں کے دلوں میں کئی شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے (مثلاً یہ کہ یہ پیغمبر جادوگر ہے، شاعر و مجنون ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے وغیرہ وغیرہ) مشرکین ان شبہات کی وجہ سے راہِ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایمان والوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ ان ناپاک شبہات سے پاک فرما دیتا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون قرآن مجید کی آیتِ ذیل میں بھی مذکور ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ الخ (انعام۔ ع ۱۴)

تَمَنّٰی بمعنی قَرَأَ ہے۔ یعنی جب تلاوت کرتا تھا۔ جیسا کہ حضرت حسانؓ نے حضرت عثمانؓ کے مرثیہ میں کہا تھا ؎

تَمَنّٰی کتاب اللہ اول لیلۃ　　　واٰخرھا لاقیٰ حمام المقادر (بحر)

اور اُمْنِیَّتِہٖ ای قراءتہ وتلاوتہ (مدارک)

اس آیت کی تفسیر میں ایک واہی اور باطل قصہ نقل کیا جاتا ہے۔ کہ ایک بار آنحضرتؐ بیت اللہ شریف میں سورۂ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى تلاوت فرما رہے تھے سامعین میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین بھی تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى تو شیطان نے آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات جاری کرا دیئے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ (یعنی ہمارے یہ معبود بلند رتبہ ہیں اور آڑے وقت میں ان کی شفاعت کی امید ہے) ان کلمات میں مشرکین کے

معبودانِ باطلہ کی تعریف تھی۔ اس لیے مشرکین بہت خوش ہوئے کہ آج محمدؐ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ جبریلؑ نے آکر حضورؐ کو اس غلطی پر متنبہ کیا۔ کہ یہ شیطانی القاء تھا۔

یہ قصہ شانِ نبوت کے سراسر منافی ہے۔ اس لیے تمام مفسرین نے اسے رد کیا ہے۔ یہ قصہ بالکل موضوع ہے۔ امام محمد بن اسحٰق بن خزیمہ اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ زندیقوں اور ملحدوں کا ساختہ ہے اور نقل کے اعتبار سے ثابت نہیں۔ امام محمد بن اسحٰق نے اس قصہ کے رد میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ وھی قصة سئل عنها الامام محمد بن اسحٰق جامع السيرة النبوية فقال هذا من وضع الزنادقة وصنّف فی ذلك كتابا۔ وقال الامام الحافظ ابوبكر احمد بن الحسين البيهقی هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل۔ (بحر ج ۶ ص۳۸۳)

(نوٹ) محمد بن اسحاق سے اگر امام المغازی مراد ہے تو امام ابی حیان مؤلف البحر المحیط کو اس میں سہو ہو گیا ہے۔ یہ قول محمد بن اسحاق امام المغازی کا نہیں ہے بلکہ یہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ صاحب الصحیح کا قول ہے جو ابن خزیمہ کے نام سے مشہور ہیں اور بڑے پایہ کے محدث، ثقہ اور مستند ہیں۔ جیسا کہ امام رازی کی عبارت میں اس کی صراحت ہے (از حضرت مولانا سجاد بخاری)

امام قرطبی فرماتے ہیں اس سلسلے کی ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ ولیس منها شئی یصح (قرطبی۔ ج ۱۲ ص۸۰) علامہ خازن لکھتے ہیں۔ انه لم یروها احد من اهل الصحة ولا اسندها ثقة بسند صحیح او سلیم متصل (خازن ج ۵ ص۲۲)

امام ابن خزیمہ اور بیہقی کا مذکورہ بالا قول امام رازی نے بھی نقل کیا ہے۔ روی عن محمد بن اسحٰق بن خزیمة انه سئل عن هذه القصة فقال هذا وضع

من الزنادقة وصنف فيه كتاباً (کبیر ج ۶ ص ۲۴۵) امام ابوالسعود رقمطراز ہیں۔

وھو المردود عند المحققین (ابوالسعود ج ۶ ص ۲۵۶) امام رازی نے مفسرین اہل التحقیق کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ یہ قصہ باطل اور من گھڑت ہے۔ اما اھل التحقیق فقالوا ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ (کبیر) بہ شرطِ صحتِ قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی پر پہنچے تو شیطان نے فوراً اپنی زبان سے حضور ﷺ کے لہجہ میں مذکورہ بالا الفاظ ادا کردے جس سے سامعین کو دھوکہ ہوا کہ یہ کلمات خود حضور ﷺ نے پڑھے ہیں۔ وانما الامران الشیطن نطق بلفظ اسمعہ الکفار عند قول النبی ﷺ اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی الخ وقرب صوتہ من صوت النبی ﷺ حتی التبس الامر علی المشرکین وقالوا محمد اقرأھا الخ (قرطبی ج ۱۲ ص ۸۱)

لیکن حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ (اِذَا تَمَنّٰی) ای تلا (اَلْقَی الشَّيْطٰنُ) ای الوساوس والشبہات فی قلوب السامعین (فِیْٓ اُمْنِيَّتِهٖ) ای فی اثناء تلاوتہ یعنی ہم نے جو بھی رسول یا نبی دنیا میں بھیجا ہے وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سناتا شیطان اس دوران لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا تاکہ وہ پیغمبر کی تلاوت سے متاثر نہ ہوں اور کلام اللہ سے بدظن ہو جائیں اور اسے ماننے سے انکار کردیں۔ اِذَا تَمَنّٰی پر دو باتیں متفرع ہیں۔ اول اَلْقَی الشَّيْطٰنُ، دوم فَيَنْسَخُ اللّٰهُ الخ ایک شیطان کا فعل ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کا۔ اور ہر ایک پر ایک ایک امر متفرع ہے اَلْقَی الخ پر لِیَجْعَلَ الخ اور فَیَنْسَخُ پر لِیَعْلَمَ۔ جیساکہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ فَيَنْسَخُ الخ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو اللہ تعالیٰ دور فرما کر اپنی آیتوں کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک کرکے محکم کردیتا ہے۔ لِیَجْعَلَ الخ یہ اَلْقَی سے متعلق ہے۔ یعنی شیطانی وسوسے منافقین اور مشرکین کے لیے مزید گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں اور وہ وساوس وشبہات کے تابع ہوکر کفر وعناد پر مضبوط ہو جاتے ہیں

اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ الخ سے منافقین ۔ اور اَلْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ سے مشرکین مراد ہیں
وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ الخ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ سے متعلق ہے ۔ یعنی اہل ایمان کے دلوں سے اللہ تعالیٰ
نے شیطانی وسوسوں کا اثر زائل کر کے ان کے دلوں کو یقین سے بہرہ مند فرمایا تاکہ انہیں
یقین ہو جائے کہ یہ قرآن شریف اور مسئلہ توحید حق ہے اور ان کے دلوں میں مزید اطمینان
اور انابت پیدا ہو جائے ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الخ جن لوگوں کے دلوں میں انابت اور تلاش
حق کا جذبہ موجزن ہے اور وہ شیطانی وساوس سے متاثر نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ
صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھتا ہے اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرماتا ہے ۔ آج بھی
یہی حال ہے ۔ جب کوئی عالم ربانی قرآن سے مسئلہ توحید بیان کرتا ہے تو شیطان سامعین کے
دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نور آیات سے مؤمنوں کے دلوں
سے شبہات کی تاریکی دور فرما دیتا ہے (از جواہر القرآن ج ۲ ص۱۲۱ ،)

اسی مسئلہ کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق | آیت کی تفسیر میں

اختلاف ہے ۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیشرو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ
علیہ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی "حجۃ اللہ
البالغہ" کے آخر میں اشارہ کیا ہے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں
"نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے ۔ اس میں ہرگز ذرہ بھر تفاوت نہیں
ہو سکتا ۔ اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے
کبھی نہیں ۔ جیسے حضرت صلعم نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ
مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا ۔ خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ
کی نیت سے سفر شروع کیا ۔ لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر
پوری ہوئی یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہوگا ۔ خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں ۔ اس میں نہ ہوا

بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سر مو تفاوت نہیں۔" ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے۔ گو نبی اصل پیشگوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔ باقی اس صورت میں "القاء" کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہوگی جیسے "وَمَا اَنْسَانِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَهٗ" میں "انساء" کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصراً اصل سلف سے منقول ہے۔ یعنی "تمنی" کو بمعنی قرات و تلاوت یا تحدیث کے اور "امنیت" کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت "حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ" پڑھ کر سنائی۔ شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ یا آپ نے "اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" پڑھا۔ اس نے شبہ ڈالا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں حضرت مسیح و عزیر اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا "وَکَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت و الوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القاء شیطانی کے ابطال و رد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں جتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا "متشابہات" کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغوا کرتا ہے "آیات محکمات" اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیاطین کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف

کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کا جو احکام بعد کو کیا جاتا ہے ابتداء ہی سے کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم و حکمت سے ناشی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً و عملاً دار امتحان بنایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم و تحقیق کی قوت سے ایمان و جنات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرما دیتے ہیں۔ رہے منکرین و مشککین ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔

ع ہر چہ گیرد علتی علت شود

ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہو گیا۔ سمجھدار آدمی اس کے اجزاء کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کر سکتا ہے یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورۂ "آل عمران" کے شروع میں بیان کیا تھا۔ "هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الخ" سے بہت مشابہ ہیں۔ چنانچہ "اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ" میں متشابہات کا اور "ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ" میں "محکمات" کا ذکر ہوا اور "لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً الخ" میں زائغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں۔ جن میں اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کا کام ابتغاء تاویل اور الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ کی غرض ابتغاء فتنہ ہے۔ آگے وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الخ کو آیۃ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ الخ کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعاء رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا سے کی تھی یہاں اس کی اجابت کا ذکر وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ میں کیا گیا اور رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ کے مناسب "وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ الٰی قولہٖ يَحْكُمُ

بَیْنَہُمْ" ہوئی (تنبیہ) آیت حاضرہ کے تحت میں مفسرین نے جو قصہ غرانیق کا ذکر کیا ہے اس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔ شاید سورہ نجم میں کچھ لکھنے کی نوبت آئے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب سلف کی تفسیر کے موافق بالکل صاف ہے گویا یہ تفصیل اس کی ہوئی جو اوپر وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ میں ابطال آیات اللہ کی سعی کا ذکر تھا۔ (تفسیر عثمانی ص۴۵۰)

* اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً معناہ الکافر الزانی لا یطأ الا کافرۃ او مشرکۃ وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُہَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ۔

معناہ الکافرۃ الزانیۃ لا یطأھا الا زانٍ او مشرک لان الزنا مباح للکفار اذ ھم لا یکلفون بالفروع بل بالاصول مکلفون نحو التوحید والرسالۃ والقیامۃ۔ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ ای حرم الزنا علی المؤمنین بالکتاب والسنۃ والاجماع۔ والنکاح مشترک بین العقد والوطی کما فی تفسیر الجصاص وما قیل انہ حقیقۃ فی العقد ومجاز فی الوطی فھو باطل۔ والحاصل ان الکفار لا یؤاخذون بالزنا اذ ھم کالانعام لا مؤاخذۃ علیھم واما المؤمنون فمؤاخذون بالزنا لانہ حرام علیھم الخ فی ھذہ الآیۃ بین اللہ تعالٰی قبح الزنا بحیث ان الزنا فعل الکفار لا فعل المؤمنین کاکل الخنزیر۔

ان آیات کے متعلق علامہ عثمانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی جو مرد یا عورت اس عادتِ شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق ازدواج و ہمبستری قائم کیا جائے۔ ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت

سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ (نور) ے

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

ان کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جداگانہ امر ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے دوسری مصالح اور حکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے۔ تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں لاینکح کے معنی وہ لیے گئے ہیں جو السلطان لایکذب وغیرہ محاورات میں لیے جاتے ہیں۔ یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔

یعنی زنا مؤمنین پر حرام ہے ایک مؤمن مؤمن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کریگا حدیث میں ہے لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یا یہ مطلب کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مؤمنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت حرّم کے معنی وہ ہوں گے جو حرّمنا علیہ المراضع میں یا حرامٌ علیٰ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا میں لیے گئے ہیں۔

(تفسیر عثمانی ص۴۶۷)

جواہر القرآن میں اس آیت کے ضمن میں یہ تحقیق ہے۔ الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ" الخ یہ دوسرا حکم ہے زنا کی سزا کے بعد۔ زانی اور زانیہ کی عادت بد کا ذکر کیا گیا ہے یعنی جو مرد اور عورت زنا کی عادتِ بد میں مبتلا ہو جائیں اور زنا کو عیب نہ سمجھیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی پاکدامن مومن مرد یا عورت سے اس کا تعلق

ازدواج قائم کیا جاسکے ان کی ناپاک اور ذلیل طبیعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی ایسے ہی بدکار مرد و عورت یا ان سے بھی بدتر کسی مرد و عورت سے ان کا تعلق قائم کیا جائے۔ ان کی عادتِ بد کا اقتضاء تو یہی ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے بعض مصالح کی بنا پر ایسے بدکار اور نام نہاد مسلمان مرد و عورت کا کسی پارسا عورت و مرد سے عقد ہو جائے۔ تو اُسے باطل قرار نہیں دیا۔ اس آیت سے زنا کی عادتِ شنیعہ کی برائی اور قباحت کو واضح کرنا مقصود ہے اس صورت میں لا ینکح کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے لیے لائق نہیں کہ وہ نکاح کرے یعنی عدم لیاقتِ فعل کو عدم فعل سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ محاورہ ہے السلطان لا یکذب۔ یعنی جھوٹ بولنا سلطان کے شایانِ شان نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ سلطان جھوٹ ہی نہیں بول سکتا تقبیح ببیان انه بعد ان رضی بالزنا لا یلیق به ان ینکح العفیفة المؤمنة .... وانما یلیق به ان ینکح زانیة هی فی طبقته...... فلا ینکح خبرٌ مراد منه لا یلیق به ان ینکح کما تقول السلطان لا یکذب ای لا یلیق به ان یکذب نزل فیه عدم لیاقة الفعل منزلة عدمه

(روح ج ۱۸ ص ۸۴)

یا نکاح۔ سے یہاں وطی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس مرد اور عورت کو یہ عادتِ بد چمٹ جائے۔ تو وہ ایسے ہی بدکار مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک و مشرکہ کے ساتھ ہی زنا کرتے ہیں کیونکہ پارسا مرد و عورت تو اس فعل بد سے کلا اجتناب کرتے ہیں۔ فالمعنی الزانی لا یطأ فی وقتِ الزنا اِلا زانیة من المسلمین او من هی احسن منها من المشرکات وقد روی عن ابن عباس و اصحابه ان النکاح فی هٰذه الآیة الوطئ۔

(قرطبی ج ۱۲ ص ۱۶۷)

یا نکاح سے عقدِ شرعی مراد ہے اور آیت منسوخ ہے بآیت وَانکحوا

الا یامیٰ منکم (قرطبی ج ۱۲ ص ۱۶۹) لیکن پہلا مطلب ارجح اور دوسرا راجح ہے حضرت الشیخ نے ان دونوں مطالب کو پسند فرمایا ہے ۔ وحرّم ذالک ای ذالک سے زنا کی طرف اشارہ ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے ۔ اس صورت میں حرمت سے حرمت شرعیہ مراد ہو گی ۔ اور یہ جملہ ماقبل کی علت ہو گا ۔ والاشارۃ یحتمل ان تکون للزنا المفھوم مما تقدم والتحریم علیہ علیٰ ظاھرہ ولعل ھذا الجملۃ وماقبلھا متضمنۃ لتعلیل ما تقدم (روح ج ۱۸ ص ۸۴) یا اشارہ مذکورہ بالا نکاح کی طرف ہے اور تحریم بمعنی منع ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وحرّمنا علیہ المراضع الخ اور مومنین سے افراد کاملہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تکوینی طور پر مومنین کاملین کے دلوں کو ایسے بدکار مردوں اور عورتوں کے نکاح سے متنفر کر دیا ہے اور ان کے دل ایسے گندے لوگوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے ۔ ویحتمل ان تکون لنکاح الزانیۃ وعلیہ فالمراد من التحریم المنع وبالمؤمنین المؤمنون الکاملون ومعنی منعھم عن نکاح الزوانی جعل نفوسھم ابیّۃ عن المیل الیہ فلا یلیق ذالک بھم الخ (روح جواہر القرآن ج ۲ ص ۴۴)

* وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (پ ۲۳ رکوع ۲)

ومستقر الشمس تحت العرش قال الحسن انّ للشمس ثلاث مأۃ وستین مطلعا لکل یوم مطلع ۔ (البرھان ص ۱۴۳)

اس کے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں ۔

سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے ۔ اسی پر چلا جاتا ہے ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا ۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس پر مشغول ہے

کسی دم قرار نہیں رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر یں جس جس ٹھکانے پر اس سے تے پہنچا ہے پھر وہاں سے باذنِ خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے قربِ قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہو گا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے اُلٹا واپس آئے یہ ہی وقت ہے جب بابِ توبہ بند کر دیا جائے گا کما ورد فی الحدیث الصحیح۔ بات یہ ہے کہ اس کے طلوع و غروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی حکمت و دانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔

(تفسیر عثمانی صہ ۵۹)

اس مسئلہ پر مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں انتہائی شرح و بسط اور تفصیل سے بحث و تحقیق کی ہے۔ یہاں پر ہم معمولی تفسیر کے ساتھ وہ تحقیق نذرِ قارئین کر رہے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آفتاب چلتا رہتا ہے، اپنے مستقر کی طرف، مستقر جائے قرار کو بھی کہا جاتا ہے، اور وقت قرار کو بھی یعنی مستقر زمانی بھی ہو سکتا ہے مکانی بھی، اور لفظ مستقر منتہائے سیر و سفر کے معنی میں بھی آتا ہے، اگرچہ اس کے ساتھ ہی بلا کسی وقفہ اور سکون کے دوسرا دورہ سفر شروع ہو جائے (ذکرہ ابن کثیر)

بعض حضرات مفسرین نے تو اس جگہ مستقر سے مستقر زمانی مراد لیا ہے، یعنی وہ وقت جب کہ آفتاب اپنی حرکت مقررہ پوری کر کے ختم کر دے گا، اور وہ وقت قیامت کا دن ہے۔

اس تفسیر پر معنی آیت کے یہ ہیں کہ آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ہزارہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں، مگر یہ سب دائمی نہیں، اس کا ایک خاص مستقر ہے، جہاں پہنچ کر یہ نظام شمسی اور حرکت بند اور ختم ہو جائے گی، اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر حضرت قتادہ رح سے منقول ہے (ابن کثیر)

اور بعض حضرات مفسرین نے اس سے مراد مستقر مکانی لیا، جس کی بناء ایک حدیث پر ہے جو صحیحین بخاری و مسلم وغیرہ میں متعدد صحابہ سے متعدد اسانید کے ساتھ منقول ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رض کی روایت ہے کہ وہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غروب آفتاب کے وقت مسجد میں حاضر تھے، آپ ؐ نے ان کو خطاب کر کے سوال کیا کہ ابو ذر! تم جانتے ہو کہ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، اس پر آپ ؐ نے فرمایا کہ آفتاب چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے پھر فرمایا کہ اس آیت میں مستقر سے یہی مراد ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا۔

حضرت ابو ذر رض ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کی تفسیر دریافت کی تو آپ ؐ نے فرمایا مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، بخاری نے اس روایت کو متعدد مقامات پر نقل کیا ہے اور ابن ماجہ کے علاوہ تمام کتب ستہ میں یہ روایت موجود ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رض سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے، اس

ہیں کچھ زیادتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزانہ آفتاب تحت العرش پہونچ کر سجدہ کرتا ہے اور نئے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، اجازت پاکر نیا دورہ شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اس کو نیا دورہ کرنے کی اجازت نہیں ملے گی، بلکہ یہ حکم ہوگا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا، یعنی مغرب کی طرف سے زمین کے نیچے گیا پھر مغرب ہی کی طرف سے لوٹ کر مغرب سے طلوع ہوجا، جس روز ایسا ہوگا تو یہ قیامت کے بالکل قریب ہونے کی علامت ہوگی، اور اس وقت توبہ کرنے اور ایمان لانے کا دروازہ بند کردیا جائے گا، اس وقت کسی مبتلاءِ گناہ کی گناہ سے اور مبتلائے شرک وکفر کی کفر سے توبہ قبول نہ ہوگی۔

(ابن کثیر بحوالہ عبدالرزاق)

سجود الشمس یعنی آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کی تحقیق،

ان روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے مراد مکانی مستقر ہے یعنی وہ جگہ جہاں آفتاب کی حرکت کا ایک دورہ پورا ہوجائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جگہ تحت العرش ہے، اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ہر روز آفتاب ایک خاص مستقر کی طرف چلتا ہے، پھر وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرکے اگلے دورے کی اجازت مانگتا ہے، اجازت ملنے پر دوسرا دورہ شروع کرتا ہے۔

لیکن واقعات ومشاہدات اور ہیئت وفلکیات کے بیان کردہ اصول کی بناء پر اس میں متعدد قوی اشکالات ہیں۔

اوّل یہ کہ عرشِ رحمٰن کی جو کیفیت قرآن وسنّت سے سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کے اوپر محیط ہے، یہ زمین اور سب آسمان مع سیارات و انجم کے سب کے سب عرش کے اندر محصور ہیں، اور عرشِ رحمٰن ان تمام کائنات

سماویہ کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اس لحاظ سے آفتاب تو ہمیشہ ہر حال اور ہر وقت ہی زیر عرش ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش جانے کا کیا مطلب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر پر پہنچ کر وقفہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لیتا ہے، حالانکہ آفتاب کی حرکت میں کسی وقت بھی انقطاع نہ ہونا کھلا ہوا مشاہدہ ہے، اور پھر چونکہ طلوع و غروب آفتاب کا مختلف مقامات کے اعتبار سے ہر وقت ہی ہوتا رہتا ہے، تو یہ وقفہ اور سکون بھی ہر وقت ہونا چاہیئے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آفتاب کو کسی وقت بھی حرکت نہ ہو۔

یہ اشکالات صرف فنونِ ریاضی اور فلکیات ہی کے نہیں، مشاہدات اور واقعات کے ہیں جن سے صَرفِ نظر نہیں ہو سکتا۔

"جتنے اشکالات اوپر لکھے گئے ہیں آیات مذکورہ کے بیان پر ان میں سے کوئی بھی شبہ اور اشکال نہیں، البتہ احادیث مذکورہ جن میں یہ آیا ہے کہ وہ غروب کے بعد زیر عرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور اگلے دورے کی اجازت مانگتا ہے یہ سب اشکالات اس سے متعلق ہیں، اور اس آیت کے ذیل میں یہ بحث اسی لیے چھڑی کہ حدیث کے بعض الفاظ میں اس آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، اس کے جوابات محدثین و مفسرین حضرات نے مختلف دیئے ہیں، ظاہر الفاظ کے اعتبار سے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ آفتاب کا یہ سجدہ دن رات میں صرف ایک مرتبہ بعد الغروب ہوتا ہے، جن حضرات نے حدیث کو اسی ظاہری مفہوم پر محمول کیا ہے انہوں نے غروب کے متعلق تین احتمال بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ معظم معمورہ کا غروب مراد ہو، یعنی اس مقام کا جہاں کے غروب پر اکثر دنیا کی آبادی میں غروب ہو جاتا ہے، یا خطِ استواء کا غروب، یا افقِ مدینہ کا غروب، اس طرح یہ اشکال نہیں رہتا کہ آفتاب کا

غروب وطلوع تو ہر وقت ہر آن ہوتا رہتا ہے کیونکہ اس حدیث میں ایک خاص افق کے غروب پر کلام کیا گیا ہے، لیکن صاف سیدھا جواب وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت استاذ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقالے "سجود الشمس" میں اختیار فرمایا ہے، اور متعدد ائمہ تفسیر کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن اور انبیاء کا استدلال آسمان و زمین کی مخلوقات اور ان کے تغیرات و انقلابات سے صرف اس حد تک ہوتا ہے جو ہر انسان کو مشاہدہ اور ادنیٰ غور و فکر سے حاصل ہو سکے، فلسفہ اور ریاضی کی فنی تدقیقات جو صرف حکماء و علماء ہی کر سکتے ہیں ان پر استدلال کا مدار رکھا جاتا ہے نہ ان میں غور و خوض کی ترغیب دی جاتی ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس کے پیغام پر عمل ہر انسان کا فرض ہے، عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، کسی پہاڑ اور جزیرہ میں رہتا ہو یا کسی متمدن شہر میں، اس لیے پیغمبرانہ تعلیمات عوام کی نظر اور ان کی عقل و فہم کے مطابق ہوتی ہیں جن میں کسی فنی مہارت کی ضرورت نہ ہو۔

نماز کے اوقات کی پہچان، سمتِ قبلہ کا متعین کرنا، مہینوں اور سالوں اور تاریخوں کا ادراک، ان سب چیزوں کا علم ریاضی کے حسابات کے ذریعہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، مگر شریعتِ اسلام نے ان میں سے کسی چیز کا مدار ریاضی کی فنی تحقیقات پر رکھنے کے بجائے عام مشاہدات پر رکھا ہے، مہینے اور سال اور ان کی تاریخیں قمری حساب سے رکھیں اور چاند کے ہونے نہ ہونے کا مدار صرف رؤیتِ ہلال اور مشاہدہ پر رکھا۔ روزے اور حج کے ایام اسی بنیاد سے متعین کیے گئے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے چھپنے اور پھر طلوع ہونے کا راز بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اس کا جواب قرآن نے یہ دیا کہ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ، یعنی آپ کہہ دیں کہ چاند کے یہ سب تغیرات اس مقصد کے لیے ہیں کہ تم ان سے مہینے

کا شروع اور ختم اور اس کی تاریخیں معلوم کر کے حج وغیرہ کے دن متعین کر سکو، اس جواب نے ان کو اس پر تنبیہ فرما دی کہ تمہارا سوال لایعنی اور فضول ہے، اس کی حقیقت معلوم کرنے پر تمہارا کوئی کام دین یا دنیا کا اٹکا ہوا نہیں، اس لیے سوال اس چیز کا کرو جس کا تعلق تمہاری دینی یا دنیوی ضرورت سے ہو۔

اس تمہید کے بعد اصل معاملہ پر غور کیجئے، کہ آیاتِ مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے چند مظاہر کا ذکر کر کے انسان کو اللہ کی توحید اور علم و قدرت کاملہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اس میں سب سے پہلے زمین کا ذکر کیا جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ، پھر اس پر پانی برسا کر درخت اور نباتات اگانے کا ذکر کیا جو ہر انسان دیکھتا اور جانتا ہے، اَحْيَيْنٰهَا الآیۃ اس کے بعد آسمان اور فضائے آسمانی سے متعلق چیزوں کا ذکر شروع کر کے پہلے لیل و نہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ الآیۃ، اس کے بعد سورج اور چاند جو سیارات وانجم میں سب سے بڑے ستارے ہیں ان کا ذکر فرمایا ان میں پہلے آفتاب کے متعلق فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ط اس میں غور کیجئے کہ مقصد اس کا یہ بتلانا ہے کہ آفتاب خود بخود اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے نہیں چل رہا بلکہ یہ ایک عزیز و علیم یعنی قدرت والے اور جاننے والے کے مقرر کردہ نظم کے تابع چل رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر غفاری رض کو ایک سوال و جواب کے ذریعہ اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی، جس میں بتلایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت مانگتا ہے، جب اجازت مل جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کو جانب مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے، اس کا حاصل اس سے زائد نہیں کہ

آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے، جس کا مدار آفتاب پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لیے موزوں سمجھ کر یہ تلقین فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اپنی قدرت سے چلنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے، یہ اس کی اجازت کے تابع ہے، اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ سجدہ ہر چیز کا اس کے مناسب حال ہوتا ہے، جیساکہ قرآن نے خود تصریح فرمادی ہے کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ، یعنی ساری مخلوق اللہ کی عبادت اور تسبیح میں مشغول ہے، مگر ہر ایک کی عبادت وتسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے، اور ہر مخلوق کو اس کی عبادت وتسبیح کا طریقہ سکھلا دیا جاتا ہے، جیسے انسان کو اس کی نماز وتسبیح کا طریقہ بتلا دیا گیا ہے، اس لیے آفتاب کے سجدہ کے یہ معنی سمجھنا کہ وہ انسان کے سجدہ کی طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی سے ہوگا، صحیح نہیں۔

اور جب کہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں، ستاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ آفتاب ہر وقت ہر جگہ زیر عرش ہی ہے، اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے، اس لیے اس کا کوئی لمحہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی ہر حال میں ہے، اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے، اس لیے حاصل مضمون حدیث کا یہ ہوا کہ آفتاب اپنے پورے دورے میں زیر عرش اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے، یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے، اور یہ سلسلہ اسی طرح قرب قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آجائے گا، تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو

جائے گا، اور وہ پھر مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا، اس وقت دروازہ توبہ کا بند ہو جائے گا، کسی کا ایمان و توبہ اس وقت مقبول نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ غروب آفتاب کی تخصیص اور اس کے بعد زیر عرش جانے اور وہاں سجدہ کرنے اور اگلے دورے کی اجازت مانگنے کی جو واقعات اس روایت میں بتلائے گئے ہیں وہ پیغمبرانہ مؤثر تعلیم کے مناسب بالکل عوامی نظر کے اعتبار سے ایک تمثیل ہے نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ انسان کی طرح زمین پر سجدہ کرے، اور نہ سجدہ کرنے کے وقت آفتاب کی حرکت میں کچھ وقفہ ہونا لازم آتا ہے، اور نہ یہ مراد ہے کہ وہ دن رات میں صرف ایک ہی سجدہ کسی خاص جگہ جا کر کرتا ہے، اور نہ یہ کہ وہ صرف غروب کے بعد تحت العرش جاتا ہے، مگر اس انقلابی وقت میں جب کہ سب عوام یہ دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب ہم سے غائب ہو رہا ہے اس وقت بطور تمثیل ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ درحقیقت آفتاب کے زیر عرش تابع فرمان چلتے رہنے سے ہو رہا ہے، آفتاب خود کوئی قدرت و طاقت نہیں رکھتا، تو جس طرح اس وقت اہل مدینہ اپنی جگہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب آفتاب سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لے گا اس طرح جہاں جہاں وہ غروب ہوتا جائے گا سب کے لیے ہی سبق حاصل کرنے کی تلقین ہو گی اور حقیقت معاملہ یہ نکلی کہ آفتاب اپنے مدار پر حرکت کے درمیان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے اور آگے چلنے کی اجازت بھی اختیار رہتا ہے اور اس سجدہ اور اجازت کے لیے اس کو کسی سکون اور وقفہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس تقریر پر حدیث مذکور میں نہ مشاہدات کی رو سے کوئی شبہ ہوتا ہے نہ قواعد ہیئت و ریاضی کے اعتبار سے اور نظام شمسی اور حرکت سیارات میں بطلیموسی تحقیق صحیح ہو یا فیثا غورث والی تحقیق جو آج کل نئی تحقیقات سے مؤید ہو گئی

ہے ان دونوں صورتوں میں حدیث مذکورہ پر کوئی شبہ اور اشکال باقی نہیں رہتا۔

رہا یہ سوال کہ حدیث مذکور میں جو آفتاب کا سجدہ کرنا اور اگلے دورے کی اجازت طلب کرنا مذکور ہے یہ کام تو حیات اور علم وعقل کا ہے، آفتاب و ماہتاب بیجان بے شعور مخلوقات ہیں، ان سے یہ افعال کیسے صادر ہوئے تو اس کا جواب قرآن کی آیت وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کے تحت میں آچکا ہے کہ ہم جن چیزوں کو بے جان اور بے عقل و بے شعور سمجھتے ہیں وہ بھی درحقیقت روح اور جان اور عقل و شعور کا ایک خاص حصہ رکھتے ہیں، البتہ ان کی حیات اور عقل و شعور انسان وحیوان کے مقابلہ میں کم اور اتنی کم ہے کہ عام احساسات اس کا ادراک نہیں کرسکتے، مگر اس کی نفی پر بھی کوئی شرعی یا عقلی دلیل موجود نہیں اور قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں ان کا ذی حیات اور ذی عقل و شعور ہونا ثابت کردیا ہے، اور نئی تحقیقات نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(ملخصاً معارف القرآن ج ۷ صـ۲۸۵ تا ۲۹۲)

* اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا اذا احیاء اجلها و الّتی لَمْ تَمُتْ بنومها فِیْ مَنَامِهَا۔ اعلم ان لکل انسان نفسان احدهما نفس المميزة وهو يفارقه اذا نام فلا يعقل شيئاً والثانی نفس الحیوٰة اذا زالت منها نفس التميز فَيُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی علیها الموت وهو نفس الحیوٰة ويرسل الْاُخْرٰی وهو نفس التميز اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وحاصله ان اللہ يقبض ارواح الاموات اذا ماتوا وارواح الاحياء اذا ناموا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ

(پ ۲۴ رکوع ۲)

واعلم ان النفس من العالم السفلوی والروح من العالم

العلوی وبینہما شعاع کشعاع الشمس الخ۔

(البرھان ص۲۳۱م)

اس آیت کے متعلق مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں "توفی" لفظی معنی لے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں وہ جب چاہے ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخرکار ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ کہ بالکل قبض ہو جائے گی اور پھر واپس نہ ملے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے کے ہیں۔ کبھی یہ ظاہرو باطنا" بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے اسی کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً" منقطع کر دیا جاتا ہے، باطنا" باقی رہتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامتِ زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطنا" تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے۔ اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکورہ میں لفظ "توفی" بمعنی قبض روح بطورِ عموم مجاز کے دونوں معنی پر حاوی ہے موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی طرف واپسی کی حالت میں دیکھا گیا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں روہ رؤیائے صادقہ نہیں رہتا اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روحِ انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۵۶۲)

* اَوْلٰی لَکَ الشدۃ فی وقت الموت فَاَوْلٰی عذاب القبر ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ اھوال القیامۃ فَاَوْلٰی نارجھنّم (البرھان ص ۵۵۴)

یہاں پر چار دفعہ لفظ اولیٰ آیا ہے اور حضرت الشیخ رح نے اولویت کے مختلف احوال ذکر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی او کم بخت اب تیری کم بختی آئی۔ ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ۔ اب تیرے لیے خرابی پر خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا کون مستحق ہوگا (تنبیہ) شاید اول خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر دوسری اس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے پر تیسری اور چوتھی ان دونوں میں سے ہر ایک کو قابلِ فخر سمجھنے پر ہو جس کی طرف ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى میں اشارہ ہے (تفسیر عثمانی ص ۷۶۸)

حٰمٓ

تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

بسم الله الرحمن الرحيم

خاتمہ

حضرت شیخ القرآن کے معمولات

اوراد و وظائف

حضرت شیخ القرآن قدس سرہٗ سلاسلِ اربعہ کے عامل اور ماذون تھے، لیکن دیگر حضرات کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ نمازِ تہجد کے بعد سورۃ یٰسین ایک بار اور قصیدہ بردہ شریف کے ان اشعار۔ ؎

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلیٰ حَبِیبِكَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّهِمِ
هُوَ الحَبِیبُ الَّذِی تُرجیٰ شَفَاعَتُه
لِکُلِّ هَوْلٍ مِنَ الاَهوَالِ مُقتَحِمِ

کا اپنے مخصوص انداز اور عشق و محبت سے بھرپور لے میں ورد فرماتے۔ نمازِ فجر کے بعد مراقبہ فرماتے اور توجہ الی اللہ اور انہماک کا ایک عجیب عالم ہوتا۔

نمازِ اشراق کے بعد مسجد سے گھر تشریف لے جاتے اور ناشتہ فرمانے کے بعد دوبارہ وضوء فرما کر ایک گھنٹہ تک سالانہ دورۂ تفسیر فرماتے۔ اس کے بعد درسِ حدیث میں مصروف ہو جاتے، نمازِ ظہر تک قیل و قالِ محمدؐ کا عجیب اور دلکش منظر ہوتا۔ پھر ان لجسدک علیک حق پر عمل فرماتے ہوئے کچھ دیر کے لیے آرام فرما ہوتے بعد ازاں اذانِ عصر تک مختلف تفاسیر و شروح حدیث اور دیگر کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے، نمازِ عصر کے بعد اذانِ مغرب تک سلسلہ نقشبندیہ کے وظائف اور اوراد میں مستغرق ہو جاتے اور نمازِ مغرب کے بعد صلوٰۃ اوابین سورۃ یٰسین اور دیگر وظائف

و اوراد کی طرف مشغول رہتے ۔ یہی وجہ ہے کہ جس رات آپ رحلت فرما گئے، اسی رات کی شام اپنے صاحبزادے کو بلا کر فرمایا ۔ کہ میرے قریب بیٹھ کر سورۂ یٰسین کی تلاوت کرو ۔ نمازِ عشاء کے بعد عوام الناس کو آسان اور سلیس انداز میں درسِ قرآن دیتے یہ حضرت شیخ القرآنؒ کے روزانہ معمولات اوران کا نظام الاوقات تھا ۔

۱۹۲۷ء سے یہ معمول تھا کہ پندرہ ۱۵ شعبان سے پچیس ۲۵ رمضان تک طلبہ کو دورۂ تفسیر پڑھاتے اور فرمایا کرتے تھے ۔ کہ ۔

ترجمہ از نصفِ شعبان می شود اے دوستاں
ذوق او ہرگز نیابد بلبلاں در بوستاں

جب کوئی مسائل مشکلات و مصائب سے نجات و حفاظت کے لیے کوئی وظیفہ یا دعا طلب کرتے، تو ارشاد فرماتے کہ لا اِلٰہ اِلّا انت سبحانک انی کنت من الظالمین نماز فجر اور عصر کے بعد ایک سو بار پڑھا کرو ۔ اور کبھی کبھی کسی سخت مقدمہ کے حل کے لیے یہی دعائے یونسؑ سوا لاکھ دفعہ پڑھنے کی تاکید اور تلقین فرماتے ۔ طلبۂ علم دین کے لیے ترقی علم کے بارے میں ربِّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقھو اقولی ارشاد فرماتے ۔ بعض اوقات طلبہ کو ۱۲۵ مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دیتے ۔ اور ہر قسم کی بیماری سے نجات کے لیے یہ نسخہ تجویز فرماتے ۔ کہ چینی کی پلیٹ پر سورۃ فاتحہ اور درج ذیل آیتیں لکھ کر روزانہ مریض کو پلایا کریں ۔ و یشفِ صدور قوم مؤمنین ۔ واذا مرضتُ فھو یشفین ۔ و شفاءٌ لمافی الصدور و ھدیً و رحمۃٌ للمؤمنین ۔ و ننزل من القرآن ما ھو شفاءٌ و رحمۃ للمؤمنین ۔ ولا یزید الظالمین الا خسارا ۔ قل ھو للذین آمنوا ھدیً و شفاء ۔

اور ضعفِ بصر والوں کو ارشاد فرماتے کہ گیارہ مرتبہ یا نور پڑھ کر انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں پر لگائے یہ نظر کے لیے مفید ہے، اور کبھی کبھی نظر کے لیے فکشفنا عنك غطاءك فبصوك اليوم حديد ۔ کی تلقین فرماتے اور کسانوں اور زمینداروں کو غلہ کی حفاظت کے لیے درج ذیل تعویذ لکھا کرتے ۔

الرحیم	الرحمٰن	اللہ	بسم
یرزق	بعبادہ	لطیف	اللہ
حساب	بغیر	یشاء	من
اللہ	اللہ	اللہ	اللہ

سحر اور شیطانی وساوس سے بچنے کے لیے معوذتین بعد از نماز فجر اور بعد از نماز عصر یکصد بار ارشاد فرمایا کرتے ۔

طلبہ علم دین کو درس و تدریس اور مطالعہ کے اجراء کے لیے ایاك نعبد وایاك نستعین اور وعظ و تذکیر اور تقریر کے بعد عوام الناس کو ایک سو بار سورۂ اخلاص پڑھنے کا ارشاد فرماتے ۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید و شاگرد کو ایک سو بار سورۂ اخلاص کی بھی تاکید فرماتے ۔

ضعف دماغ کے لیے وظیفہ ، کبھی کبھی طلبہ کو فرماتے کہ ہر نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر یا قویُّ گیارہ دفعہ پڑھنا ضعفِ دماغ کے لیے معجون اور اکسیر ہے مصیبت زدہ کے لیے دعا کے وقت یا حیُّ یا قیوم برحمتك استغیث ارشاد فرماتے فرمایا کہ ۳۱۲ کا عدد متبرک ہے اور روزانہ ۳۱۲ مرتبہ دعائے یونس کا پڑھنا مصائب و مشکلات سے حفاظت کے لیے ایک آزمودہ نسخہ ہے ۔ اسی طرح حل مشکلات کے لیے صبح و شام یہ دعا ارشاد فرماتے ۔ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسم شیئٌ

فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم ۔ ولا حول ولا قوۃ الاّ باللّٰہ العلیّ العظیم ۔

دعا برائے طلب فرزند ؛ فرمایا کہ فرزند کے لیے رب ھب لی من لدنك ذریۃ طیبۃ انك سمیع الدعاء ۔ سفری مصائب سے حفاظت کے لیے دورانِ سفر سورۃ قریش کی تلاوت کی تاکید فرماتے ۔ طلبہ کو ترقی علم کے لیے ربّ زدنی علما" کی بہت ہی تلقین فرماتے ۔

باہمی اتفاق اور زوجین کے درمیان الفت ومحبت کے لیے فرمایا کرتے تھے ۔ کہ انّ الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعلُ لھم الرحمٰن ودّا ۔ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا" یحبونھم کحبّ اللہ والذّین آمنوا اشدّ حبا" للّٰہ ۔ سات دفعہ پڑھ کر شیرینی پر دم کرکے خود بھی کھائے اور دیگر متعلقہ افراد کو بھی کھلائے ۔

بچہ کو نظر لگ جانے کے لیے یا رونے یا سوتے میں ڈرنے کے لیے سورۃ فلق اور سورۃ ناس تین تین بار پڑھ کر بچے پر دم کرنا تجویز فرماتے ۔ اور بطور تعویز درج ذیل دعا کی تلقین فرماتے ۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شرّ کل شیطانٍ وھامةٍ وعین لامة ۔

سحر زدہ کے لیے اُن آیتوں کو لکھ کر تعویذ فرماتے ۔ فلمّا القوا قال موسیٰ ماجئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون ۔

وسعت اور کشائش رزق کے لیے فرمایا کرتے تھے یہ دعا پڑھنا بہتر ہے ۔

ربنا انزل علینا مائدۃً من السمآء تکون لنا عیداً لاولنا واٰخرنا وآیۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین۔ ظالموں سے نجات کے لیے یہ قرآنی دعا فرماتے۔ ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔

مقبولیت ایمان کے واسطے ربنا آمنا لما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰھدین۔

مصائب ومشکلات کے وقت حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل علی اللّٰہ توکلنا اور اسی طرح لا الٰہ الا اللّٰہ العظیم الحلیم لا الٰہ الا اللّٰہ رب العرش العظیم لا الٰہ الا اللّٰہ رب السمٰوٰت والارض ورب العرش الکریم کی ترغیب دیا کرتے۔

نمازِ مغرب کے بعد یہ دعا ارشاد فرماتے یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔

برکت کے واسطے رب انزلنی منزلاً مبارکاً وانت خیر المنزلین ارشاد فرماتے۔

دورۂ تفسیر اور دورۂ حدیث کے بعد ہر مریض خواہ بوڑھا، جوان یا بچہ ہوتا۔ اس پر یہ دعا پڑھ کر دم فرماتے۔

اذھب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاءَ الا شفاؤک شفاءً لا یغادر سقماً۔

گمشدہ کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل دعا ارشاد فرماتے۔

بسم اللّٰہ یا ھادی الضال ورادّ الضالۃ ردّ الیّ ضالتی

بعزتك وسلطانك فانها من عطائك وفضلك ۔

سہولت معاش کے لیے ارشاد فرماتے ۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ انّ اللہ بالغ امرہ قدجعل اللہ لکلّ شیٍٔ قدراً ۔

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ

آپ کی وفات حسرت آیات پر برصغیر کے موقر جریدے ماہنامہ "الحق" میں برادر محترم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے تعزیتی اداریہ رقم کیا۔ وہ نذر قارئین ہے۔

صوبہ سرحد کی مشہور علمی و دینی شخصیت شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوری بھی اس دارِ فانی سے دارالبقاء کو رحلت فرما گئے۔

موصوف اتباع سنت، طہارت و تقویٰ، زہد و ورع، تبحر علمی، وسعت نظر اور کتاب و سنت کی تفسیر و تعبیر میں یگانہ تھے۔ ساری زندگی مطالعہ، کتب بینی اور قرآن کی تعلیم و تدریس میں گزار دی۔ کئی سالوں سے علیل تھے مگر خدمت قرآن اور ترجمہ و تفسیر کے انہماک کا وہی عالم رہا۔ افسوس کہ اب یہ شمع نور و ہدایت بھی ۲۳/ اگست بروز اتوار ہمیشہ کے لیے بجھ گئی۔

موصوف دبلے پتلے نحیف سادہ، وضع صورت سے متواضع حلیم اور سیرت سے اگلے وقتوں کی یادگار معلوم ہوتے تھے۔ ہر وقت چشم گریاں اور دلِ خنداں کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شہرت نام و نمود پوسٹر بازی اور موجودہ دور کے اشاعتی طریقوں سے ناآشنا اور طبعاً محترز رہتے تھے۔

اپنے آبائی گاؤں شاہ منصور میں گوشۂ عزلت میں زندگی گذارنے اور گمنامی و خاموشی کے ساتھ سفر آخرت کی تیاری میں مصروف رہنے کے باوجود طلبۂ علوم دینیہ کے مرجع ٹھہرے۔ ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات میں دو سو سے تین سو طلبہ آپ کے ترجمہ وتفسیر قرآن کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے (بعد میں یہ تعداد ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ ثانی)

موصوف کے مطالعہ کی وسعت ذوق کی لطافت اور پاکیزگی، نفس کا نقش عوام وخواص سب کے دل ودماغ پر ثبت ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ موصوف کی وفات کی خبر صوبہ سرحد اور پورے ملک میں نہائت رنج وافسوس اور حسرت واندوہ کے ساتھ سنی گئی۔ لوگ دور دراز سے مقامات پیادہ بسوں ویگنوں اور کاروں میں پہنچتے رہے دارالعلوم کے اساتذہ ومشائخ اور طلبہ کے علاوہ خود شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب بھی باوجود علالت وشدت مرض کے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ مرحوم کو حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دارالعلوم سے خصوصی تعلق تھا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ کو سر آنکھوں پر بٹھاتے اور ان کے اکرام میں دیدہ ودل نچھاور کرتے تھے تو موصوف نہیں رہے مگر ان کے لائق اور فاضل فرزند مولانا نورالہادی شاہ منصور میں ان کا قائم کردہ دارالعلوم اور ہزاروں تلامذہ ان کا عظیم صدقۂ جاریہ ہیں۔ جو قیامت تک ان کے نام اور کام کو زندہ رکھیں گے۔۔ (الحق ستمبر ۱۹۸۰ء)

حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوری رح

(مجلہ تبیان شیر گڑھ ضلع مردان کا تعزیتی اداریہ)

عالم باعمل، متقیٔ کامل، شیخ التفسیر حضرت العلامہ مولانا عبدالہادیؒ مورخہ ۲۳/ اگست ۱۹۸۰ء کو اس دار فنا سے دار بقا رحلت کر گئے۔ مرحوم نے علم دین کی اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ کئی سال تک احادیث کا درس دیا۔ اور تقریباً

ساٹھ (۶۰) سال سے ہر سال رمضان المبارک کے دوران دورہ تفسیر پڑھاتے تھے۔ جس میں ملک اور بیرونِ ملک کے تقریباً ایک ہزار طلبہ، علماء، فضلاء شریک ہوتے تھے، اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اس کے علاوہ سال کے دوران بھی دورۂ تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ مرحوم نے حال ہی میں موضع شاہ منصور (صوابی) میں دارالعلوم تعلیم القرآن کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی تھی۔ جو ان کے لیے یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔ مرحوم نے بعض علمی تصانیف کیے تھے۔ مختصر اور جامع انداز میں "البرہان فی مشکلات القرآن" کے نام سے ایک تفسیر مرتب کی۔ اس کے علاوہ "تسہیل بخاری شریف"، "تسہیل الترمذی" "تسہیل الترمذی" "تسہیل المشکوٰۃ" تصنیف کیے۔

مرحوم نے جمعیۃ العلماء اسلام کی طرف سے ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا، اور بڑی پامردی سے عبدالقیوم خان کا مقابلہ کیا۔ طلباء و علماء کی نہایت قدر کرتے تھے۔ اور ہر کسی سے محبت ملن ساری اور خوش اخلاق سے ملتے تھے۔ ہر ادا سے تواضع ٹپکتی تھی۔ ۱۰۴ سال کی عمر میں وفات ہوئے۔ جنازے میں صوبہ سرحد کے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ جن میں علماء و طلباء کی اکثریت تھی۔ حضرت مہتمم صاحب[1] مدظلہ اور دارالعلوم شیرگڑھ کے طلبہ نے بس کے ذریعے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔

مرحوم کی رحلت سے علمی دنیا میں یقیناً بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر کرنا مشکل ہے۔ مگر الحمد للہ مرحوم کے فرزندِ ارجمند مولانا نورالہادی صاحب اپنے عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چل کر انشاء اللہ صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل اخلاق اور تواضع جیسی صفات سے نوازا ہے۔ آئندہ رمضان المبارک کے دوران دورہ تفسیر پڑھائیں گے، یہ ایک خوش آئندہ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے آمین ثم آمین

---

[1] حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ سابق ممبر قومی اسمبلی۔

غبار

قال الله تبارك وتعالى

محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الإنجيل كزرع

أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة وأجرا عظيما صدق الله العلي العظيم

محمد علي

شمع عرفاں

بیادِ شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری رحمۃ اللہ علیہ
نتیجۂ فکر! حافظ محمد ابراہیم فانی زروبوی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

عبدِ ہادی وہ محدث شیخِ قرآں اب کہاں
نیرِ نورِ ہدایت شمعِ عرفان اب کہاں

آسمانِ علم کا وہ ماہِ تاباں اب کہاں
ڈھونڈتی نظریں ہیں جس کو مہرِ رخشاں اب کہاں

ذرّہ ذرّہ مجھ کو پژمردہ نظر آتا ہے آج
محفلِ ہستی میں ہاں وہ شور و طوفاں اب کہاں

خوں فشاں ہر چشم ہے اور ہر نفس بے چین ہے
رازدانِ کن فکاں وہ فضلِ سبحاں اب کہاں

ہو چکی ہے سلب دل سے قوتِ ضبط و فغاں
طاقتِ صبر و شکیب اے دلفگاراں اب کہاں

گلستاں میں ہر کلی بے نکہت و بے رنگ ہے
رونقِ بزمِ چمن رنگِ بہاراں اب کہاں

بن گیا ماتم سرا ساقی حسینی خمکدہ
وہ سرور و کیف و مستی ذوقِ وجداں اب کہاں

میکدہ باقی ہے لیکن پیرِ میخانہ نہیں
شورشِ رنداں ہجومِ میگساراں اب کہاں

علمِ تفسیر و درایت آج ہیں ماتم گسار
ہائے اللہ واقفِ اسرار فرقاں اب کہاں
قطب اقطاب طریقت عارف و کامل ولی
ہادئ راہِ صفا وہ جانِ جاناں اب کہاں
مرشدِ کامل فقیہہ النفس زاہد متقی
پیکرِ جود و سخا و بحرِ فیضاں اب کہاں
بوذرؓ و سلماںؓ صفت تھے فقرِ فخری کے نظیر
شاہد کشف و کرامت قبلۂ جاں اب کہاں
مشغلہ جس کا تھا روز و شب ہی تفسیرِ قرآں
وہ ہمالۂ توکل شاہِ ذی ایشاں اب کہاں
عالمِ تفسیرِ قرآں مسند آرائے حدیث
خضرِ راہِ معرفت وہ مردِ میداں اب کہاں
نازشِ ملت تھے میر کاروانِ اہل حق !
قدوۂ اہل ہدیٰ و اہل ایماں اب کہاں
ہو گئے نذرِ یتیمی طالبانِ علم دیں
آہ فانیؔ وہ مجاہد شیخِ دوراں اب کہاں

